

ماه نام

مهرورد

نونهال

جنوری ۱۹۹۸



جالو جگاؤ

انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، اس کو ہر کام کے لیے دوسرے انسانوں کی مدد اور ان کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ اسی کو معاشرہ یا سماج یا سوسائٹی کہتے ہیں۔ معاشرے کی بقا، ترقی اور خوش حالی کے لیے انسانوں کا آپس میں مل کر رہنا اور ایک دوسرے کے کام آنا ضروری ہے۔ لوگ اگر ایک دوسرے کے فائدے اور آرام کا خیال نہ رکھیں تو سب کی زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ ایسے معاشرے میں سکون اور اطمینان نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم کی سورہ الحجرات میں ہے کہ
”مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔“

تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے ان کو آپس میں ایک دوسرے کا مددگار اور معاون ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔ دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھنا چاہیے۔ سمجھ دار انسان اپنے پڑوسی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اسلام میں پڑوسی کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اگر تمہارا پڑوسی تکلیف میں ہے تو تمہیں آرام اور سکون کیسے مل سکتا ہے۔

جس معاشرے میں لوگ پڑوسی کا، عزیز کا، دوست کا ساتھی کا، خیال نہیں رکھتے وہ معاشرہ ترقی کرنا تو بڑی بات ہے قائم بھی نہیں رہتا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان غور سے پڑھو :

”کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو روزے، نماز اور صدقے سے بھی افضل و برتر ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا : ”ضرور“ ارشاد ہو۔ ”آپ نے فرمایا : ”آپس کے تعلقات کو ٹھیک کرنا۔“

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

اس رسالے میں کیا ہے

۵۷	حکیم صاحب کے مشورے	حکیم محمد سعید	۳
۵۵	ہیرا، قاتل اور فولادی	مسعود احمد برکاتی	۴
۳۳	ارض پاکستان (علم)	مجید فکری	۵
۶۵	غریب کا خط	نخے گلچیں	۶
۶۷	فیصلہ	فتح علی انوری	۷
۷۷	سلیم کی واپسی (۶)	ادارہ	۱۱
۸۵	واحد رضا اسماعیلی	ڈاکٹر داؤد صالح	۱۳
۸۸	خوش ذوق نونال	عباس العزم	۱۶
۸۹	میر حسین علی امام	صفیہ امتیاز	۱۷
۹۱	رفع الزماں زبیری	عارف عمار عادل	۲۳
۹۲	نخے نامہ نگار	حسن ذکی کاظمی	۲۷
۹۳	نخے مزاح نگار	نکتہ واں نونال	۳۷
۹۷	نخے لکھنے والے	سید علی بخاری	۳۹
۱۱۳	نونال پڑھنے والے	سید ظہران جمیلین	۴۳

۱۲۰

ادارہ

نونال نکتہ



حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد سے شائع کیا

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

کسی کو درد سے تڑپتے ہوئے دیکھنے سے زیادہ درد انگیز منظر شاید کوئی نہیں ہوتا۔

لو بھی نیا سال آگیا۔ کہنے کو تو میری اور تمہاری عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو گیا، لیکن اصل میں ہماری عمر ہماری زندگی کا ایک سال اور کم ہو گیا۔ ہم میں سے ہر شخص کی جتنی عمر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اس میں سے ایک سال اور نکل گیا۔ گھٹنے، دن، مہینے اور سال ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ وقت گزر رہا ہے اور زندگی کی مہلت کم رہ گئی ہے، اس لیے جو کام بھی کرنا ہے اس کو جلد پورا کر لو، یعنی وقت کو بے کار ضائع نہ ہونے دو۔ جو وقت کسی کام میں صرف ہو جائے وہ ضائع نہیں ہوتا۔

وقت ضائع کرنے کا مطلب بھی سمجھ لو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آدمی کبھی آرام ہی نہ کرے، تفریح نہ کرے، کھیلے کودے نہیں، صرف پڑھے جائے۔ جو کام بھی وہ کرتا ہے وہی کیے جائے۔ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے تمام تقاضے پورے کرے۔ زندہ رہنے کے لیے جس طرح کام کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کو اپنی صحت کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ صحت کے لیے کھیل کود، تفریح اور آرام بھی ضروری ہے۔ بس یہ خیال رہے کہ ہر کام وقت پر ہو۔ ہمدرد نونمال کا یہی پیغام ہے۔

”ہمدرد نونمال“ میں مذہبی، تاریخی، سائنسی، معلوماتی مضامین کے علاوہ کہانیاں، نظمیں، لطیفے بھی اسی لیے دیے جاتے ہیں کہ نونمالوں کے دماغوں کو تفریح ملے اور وہ خوش رہیں۔ معلومات افزا ۲۳۱ کے متعلق کسی صفحہ پر ایک اعلان ہے وہ پڑھ لیں۔ اس شمارے کے لیے اپنی رائے لکھیں۔

ہمدرد نونمال جنوری ۹۸ء

نئے سال کے لیے

پیغام

مجید فکری

نسلِ آدم کا احترام کرو
جب کسی سے ملو سلام کرو

صرف جینا تو کوئی بات نہیں
قابلِ فخر کوئی کام کرو
علم کی روشنی کو پھیلاؤ
نونمالو! جہاں میں نام کرو

دہر سے تیرگی مٹانے کا
اک نیا عزم صبح و شام کرو
نام روشن ہو ملک و ملت کا
ملک و ملت کا کوئی کام کرو

غم کے ماروں کے دوست بن جاؤ
غم بٹانے کا اہتمام کرو
کام کرنا ہی کامیابی ہے
کام محنت سے صبح و شام کرو

بعد مرنے کے نام رہ جائے
فکری دنیا میں ایسا کام کرو

ہمدرد نونمال جنوری ۹۸ء

حیالوں کی مرہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ آدمیوں کے درمیان فیصلہ کراؤنا بھی صدقہ ہے۔

مرسلہ: عزیز الرحمن قاری، شیخ پورہ

حضرت عمر فاروقؓ

جو عیب سے آگاہ کرے وہ دوست ہے۔

مرسلہ: سعدیہ شوکت، حیدر آباد

فرید گنج شکرؒ

علم کے بغیر عبادت فضول ہے اور عقل کے بغیر گفتگو

درد سر۔ مرسلہ: اعجاز علی، جعفر آباد

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

جو نیک عمل آج تم پر بھاری ہے وہ آخرت میں بھی

ترازو پر زیادہ وزنی ہوگا۔ مرسلہ: رضوان ثاقب، ٹوبی

مولانا رومیؒ

وقت ہمارے پاس اس طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست

تخفے لے کر آئے۔ اگر ہم اس کی قدر نہیں کرتے تو

وہ چپ چاپ اپنے تحفوں کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

مرسلہ: دوست محمد، امین آباد کالونی

حسن بھریؒ

جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے سب ڈرتے ہیں۔

مرسلہ: بنیش جمیل احمد، صادق آباد

بو علی سینا

بغیر بھوک کے غذا نہ کھائیں اور جب بھوک تیز ہو

جائے تو بھوکے نہ رہیں۔

مرسلہ: پرنس کفایت اللہ، کیمادی

جبران خلیل جبران

دنیا میں اتنی بلند دیواروں والے محل تعمیر نہ کراؤ جن

میں تمہاری اپنی ہی آواز گھٹ کر رہ جائے۔

مرسلہ: شاہد امر، پسنی

افلاطون

ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لیتی ہے۔

مرسلہ: عرفان علی شاہ

حکیم لقمان

طلوع آفتاب کے وقت سونا بد بنتی ہے۔

مرسلہ: وقاص رفیق، پیر کالونی

خواجہ اویس قرنیؒ

جس نے اللہ کو پہچان لیا اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی

نہیں رہتی۔ مرسلہ: عرشہ حسن، نئی کراچی

ماؤزے تنگ

مسلسل محنت کام یابی کا راز ہے۔

مرسلہ: مزین محمد علی، سرجانی ٹاؤن

برنارڈ شا

جو شخص اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں رکھتا وہ

معراج انسانی سے گرا ہوا ہے۔

مرسلہ: محمد احمد شیر کوکھر، لاکھاروڈ

ظلمیاں نے روزہ رکھا

سید فتح علی انوری

رمضان المبارک کا چاند نظر آنے سے پہلے ہی ظلمیاں نے اعلان کر دیا کہ اس بار وہ ضرور پہلا روزہ رکھیں گے!

ظلمیاں کی عمر آٹھ سال ہے۔ تیسری جماعت میں پڑھتے ہیں۔ دبے پتلے دھان پان لڑکے ہیں۔ اچھے خاصے شریر ہیں، مگر چوں کہ ہر امتحان میں پہلی پوزیشن لیتے آئے ہیں اس لیے والدین اور دادا دادی کے چہیتے ہیں۔ ظلمیاں میں ایک خوبی یہ ہے کہ دُھن کے پکے ہیں۔ جو بات دل میں ٹھان لیتے ہیں وہ پوری کر کے چھوڑتے ہیں۔

دادا ابانے کہا: ظلمیاں! یہ بتلائیے کہ آپ روزے کے آداب بھی جانتے ہیں؟
”جی ہاں“ ظلمے نے خود اعتمادی سے جواب دیا: ”سحری میں اٹھ کر کچھ کھانا کھاتے ہیں۔ منہ صاف کر کے روزے کی نیت کرتے ہیں جو میں نے یاد کر لی ہے۔ دن بھر پاک صاف رہتے ہیں۔ پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں جو میں جانتا ہوں۔ افطار تک کچھ کھاتے پیتے نہیں۔ افطار کے وقت دعا پڑھ کر روزہ کھولتے ہیں۔ اسکول بھی جاتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے۔ کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں۔“

دادی اماں نے پوچھا: ”اچھا یہ بتاؤ۔ تم اس لیے روزہ رکھ رہے ہو کہ تخفے ملیں گے یا کسی دوست کی دیکھا دیکھی روزہ رکھنے کا ارادہ کیا ہے؟“

ظلمے نے کہا: ”جی نہیں، رمضان میں گھر میں سب لوگ روزے رکھتے ہیں۔ مجھے سب کے سامنے کھانا پینا اچھا نہیں لگتا، مگر میری ایک شرط ہے! میں اپنی پوری کلاس کو بلاؤں گا اور میری چاروں استانیائیں بھی آئیں گی۔“

ابو، امی دونوں نے کہا: ”منظور، ایک چھوٹا سا تحفہ ہماری طرف سے! ہم تمہیں گیمرز کے دو نئے ڈسک دیں گے۔ دن بھر اپنے نن تنجو (Nintanjo) پر گیمرز کھیلتا، آسانی سے دن گزر جائے گا۔“

ظلا نے دادی اماں سے پوچھا: ”کھیل سے میرا روزہ تو مکروہ نہیں ہو جائے گا؟ میں اپنا روزہ مکروہ کرنا نہیں چاہتا۔“

دادی اماں مسکرائیں اور کہنے لگیں کہ اسکول سے آکر تھوڑی دیر کھیل لینا۔ لیکن نمازیں قضا نہیں ہونی چاہئیں۔ پھر تھوڑی دیر سوچا۔

چنانچہ منجھلا روزہ طے پایا۔

اسکول میں ظلا نے اپنے سب ساتھیوں کو افطار اور رات کے کھانے کی دعوت دی۔ خود اپنے ہاتھ سے دعوت نامے لکھے۔ ظلا کے تین خاص دوستوں فیب، نور اور بلال نے بھی فیصلہ کیا کہ وہ ظلا کے ساتھ پہلا روزہ رکھیں گے۔

تینوں دوستوں کے والدین ظلا کے والدین سے ملنے آئے اور کہا کہ کیوں نہ چاروں مل جل کر کسی ہوٹل یا پرانے شادی ہال میں روزہ کشائی کی تقریب کر لیں، کیوں کہ چاروں لڑکوں نے ایک ہی دن پہلا روزہ رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ظلا کے دادا ابا نے کہا: ”ظلا کے ان تینوں دوستوں نے ظلا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ روزہ کشائی ہمارے گھر میں ہوگی۔ آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ ہمارے ہاں تشریف لے آئیے۔ بچوں کو تیرہویں کی شب میں ہمارے ہاں بھیج دیجیے۔ چاروں بچے مل کر سحری کریں گے اور دن بھر ساتھ رہیں گے۔“

رمضان المبارک کی تیرہویں تاریخ آئی۔ فیب، نور اور بلال رات ہی کو ظلا کے ہاں آگئے۔ چاروں نے مل کر سحری کی۔ چار چھوٹے چھوٹے بچوں کا ایک ساتھ روزہ رکھنا بڑی خوشی کی بات تھی۔

دادا ابا نے تمام انتظام اپنے ذمے لیا۔ گھر سجایا گیا۔ افطار اور رات کے کھانے کے لیے ایک ریسٹوراں کو آرڈر دیا گیا۔ محلے میں خبر ہوئی تو محلے والوں نے فیصلہ کیا کہ چاروں بچوں کو تحفے دینے چاہئیں۔

جس ریسٹوراں کو افطار اور کھانے کا آرڈر دیا گیا تھا اس کے مالک کو جب معلوم ہوا کہ چار بچے ساتھ مل کر پہلا روزہ رکھ رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ کھانے میں ٹھنڈی بوتلیں ان کی طرف سے پیش کی جائیں گی۔ اسکول ٹرانسپورٹ کے کنڈیکٹر نے کہا کہ جن مہمانوں کے پاس سواری نہیں ہوگی انھیں ان کے گھر چھوڑنے کی خدمت وہ انجام دیں گے۔ یہ تو بہت

بڑی سعادت ہے کہ چار بچے مل کر پہلا روزہ رکھ رہے ہیں۔

افطار پارٹی ہوئی۔ تحفوں کے ڈھیر لگ گئے! چاروں لڑکوں کو اتنے ہار پہنائے گئے کہ بچے پھولوں میں چھپ گئے۔

چاروں بچوں نے سب کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی۔ کئی لوگوں نے اسکول کی استانیوں اور پرنسپل کی تعریف کی کہ انھوں نے بچوں کے دلوں میں ایسا خوب صورت جذبہ پیدا کیا۔ پھر کھانا ہوا۔

دادا ابا نے کہا! آپ حضرات نے رمضان المبارک کی برکتیں ملاحظہ فرمائیں! رمضان المبارک کی اپنی برکتیں اور پھر آپس میں تعاون کی برکتیں! صرف ظلا میاں اکیلے ہی روزہ رکھتے تو ایسی رونق نہ ہوتی۔ اتنے سارے لوگوں کی آپس میں ملاقاتیں نہ ہوتیں۔ صرف ایک معمولی سی گھریلو تقریب ہو جاتی۔ یہ اسلام کی برکت ہے۔ لوگ جب مل جل کر کوئی نیک کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں بچوں کو اچھا مسلمان بنائے، تعلیم و تربیت کے زور سے مالا مال فرمائے۔

سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر ”آمین، آمین، آمین“ کہا۔

اسی دن ظلا میاں کے چار اور ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ اگلے جمعہ کو وہ چاروں مل کر پہلا روزہ رکھیں گے۔

ظلا میاں کا پہلا روزہ یادگار بن گیا۔

اس رمضان المبارک میں بھی کئی نونہال پہلا روزہ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اچھا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ علم کی دولت سے نوازے۔ کام یابی سرخ روئی سے وطن عزیز کی خدمت کے مواقع عطا کرے۔

آئیے سب مل کر کہیں : ”آمین ثم آمین“۔



نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب

امریکا، کینیڈا اور لندن کے ایک سفر کے تاثرات

نوجوانوں کے لیے حکیم محمد سعید کے قلم سے

فکرِ جوان

اس سفر میں حکیم صاحب نے جو دیکھا وہ لکھتے چلے گئے۔ سفر نامہ کم ہوتا گیا، فکر نامہ زیادہ۔ اس میں روز و شب کی کہانی بھی ہے، سفر کا حال بھی، دل کی کیفیات بھی اور فکری توانائیاں بھی۔ نوجوانانِ وطن کے لیے ایک دل چسپ، خوب صورت تحریر۔

۳۲ صفحات، متعدد رنگین تصاویر، خوب صورت ٹائٹل

قیمت - پچاس روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان - ناظم آباد ۳ کراچی ۷۴۶۰۰

نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب نوجوان ادب

۹ جنوری

تمہیں تو معلوم ہو گا کہ ۹ جنوری کا ذکر آتے ہی کس پیاری اور بڑی شخصیت کا خیال آتا ہے۔ ہاں بالکل صحیح ہے۔ یہ نونماوں کے عظیم دوست اور ہمدرد جناب حکیم محمد سعید کی تاریخ پیدائش ہے۔

محترم حکیم صاحب ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے ۹ جنوری ۱۹۹۸ء کو ان کی عمر ۷۸ سال ہو رہی ہے۔ ۷۸ سال کہنے کو تو بہت ہوتے ہیں، لیکن ہم میں سے اکثر لوگ بڑی عمر پانے کے باوجود کوئی کام نہیں کرتے، مگر حکیم صاحب اور کام دو لفظ نہیں ہیں۔

حکیم صاحب کو کام کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ قائد اعظم نے کہا تھا: ”کام، کام اور کام۔“ قائد اعظم کی نصیحت پر بہت کم لوگوں نے عمل کیا اور آج کل تو محنت کی عادت چھوٹ گئی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کام کوئی دوسرا شخص کرے اور نام اس کا ہو۔ حکیم صاحب بچپن ہی سے محنت کرنے کے عادی ہیں۔ بچپن میں وہ خوب کھیلتے تھے اور شرارتیں بھی کرتے تھے، لیکن جب شعور آیا تو پھر وہ خوب پڑھنے لگے اور انھوں نے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور ۱۹ سال کی عمر میں طب کی تعلیم مکمل کر لی اور پوری توجہ سے مریضوں کا علاج کرنے لگے اور ہمدرد کے کاموں میں دل چسپی لینے لگے اور اپنے بڑے بھائی محترم حکیم عبد الحمید صاحب کے ساتھ ہمدرد دواخانہ کو ترقی دینے میں مصروف ہو گئے۔

پاکستان بنا تو محترم حکیم صاحب اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان آگئے تاکہ اس ملک کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکیں اور طب مشرقی کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق ترقی دے سکیں۔ حکیم صاحب نے کراچی میں ہمدرد کا کاروبار بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا۔ کرائے کا کمرہ اور کرائے کے فرنیچر سے کام کا آغاز کیا، لیکن اپنی ذہانت اور محنت سے بہت جلد ہمدرد کو ایک بڑا ادارہ بنا دیا۔ آج ”ہمدرد“ کا نام ساری دنیا میں روشن ہے۔

حکیم صاحب نے ہمدرد دواخانہ کو ترقی ہی نہیں دی، بلکہ طب کی تعلیم کے لیے معیاری کالج قائم کیا۔ عوام میں صحت کا شعور پیدا کرنے کے لیے ”ہمدرد صحت“ شائع کرنا شروع کیا۔ تمھارا ”ہمدرد نوٹل“ بھی ۱۹۵۳ء میں جاری کیا۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ حکیم صاحب کی کتابیں اردو میں بھی ہیں اور انگریزی میں بھی۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب نے کئی ادارے قائم کیے۔

نوٹالوں کے لیے ایک بہت اچھا اور بہت بڑا اسکول ”ہمدرد پبلک اسکول“ قائم کیا جس میں بہترین تعلیم ہوتی ہے۔ ”ہمدرد یونیورسٹی“ بھی قائم کی جس کے تحت قدیم اور جدید طب کے کالجوں میں اعلا تعلیم ہوتی ہے اور دوسرے شعبے بھی ہیں۔ ایک بہت بڑی لائبریری بیت الحکمہ بھی قائم کی جس میں ساری دنیا سے طب اور اسلام کے موضوع پر کتابیں جمع کیں۔ دوسرے علوم پر بھی کتابیں ہیں۔

حکیم صاحب نے اتنے کام کیسے کر لیے؟ اور اتنی کام یا بیاں کیسے حاصل کر لیں؟ اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہ ہے کہ حکیم صاحب وقت بالکل ضائع نہیں کرتے، بلکہ ہر منٹ کو کام میں لاتے ہیں۔ حکیم صاحب جو کام بھی کرتے ہیں پوری دل چسپی اور توجہ سے کرتے ہیں۔ کوئی ان کو کام کرتے ہوئے دیکھے تو وہ یہ سمجھے کہ حکیم صاحب کو صرف اس کام کے علاوہ کسی کام سے دل چسپی نہیں ہے، لیکن وہ ہر کام اتنے ہی انہماک سے کرتے ہیں اور ہر کام کو اہم سمجھتے ہیں۔ بس اسی عادت نے ان سے اتنے بڑے بڑے کام کروائے۔

محترم حکیم محمد سعید صاحب خود تو کام کرتے ہی ہیں، لیکن کام کرنے والوں کی بھی قدر کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو کام کا آدمی بنا دیتے ہیں۔ لوگوں کو کام کا آدمی بنا دینا بھی اپنی جگہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

نیا سال مبارک ہو

ڈاکٹر داؤد صالح

پورا ایک سال انتظار کرنے کے بعد نیا سال آگیا۔ نیا سال مبارک ہو۔ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے۔ اللہ اس دعا کو قبول کرے۔ آمین۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ اس دنیا میں دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی کامیابی کے لیے آپ کو محنت اور جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے۔

ہر نئے سال کی آمد پر بیشتر افراد اپنے عزائم کی درجہ بندی کرتے ہیں اور ان کی تکمیل کے بارے میں پر امید نظر آتے ہیں، لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی اکثریت خود سے کیے ہوئے دعووں اور ارادوں پر عمل نہیں کر پاتی۔ چند ہی دنوں یا ہفتوں میں انھیں یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ انھوں نے اپنے آپ سے کچھ وعدے کیے تھے۔

عزائم جمع ہے عزم کی اور عزم کے معنی کسی کام کو کرنے کا فیصلہ یا پختہ ارادہ کرنے کے ہیں۔ ویسے تو ہم روزانہ بہت سارے کام کرتے ہیں جن میں کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ برے۔ آئندہ برے کام سے بچنے اور کسی نئے اچھے کام کی ابتدا کرنا بڑی اچھی بات ہے۔

ناکامی کی وجہ: عزائم کی تکمیل میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ ”عادت کی غلامی“ ہے۔ باقی تمام وجوہ جیل و حجت کے زمرے میں آتی ہیں۔

دراصل ہمارے لیے ان کاموں کو کرنے اور ان راستوں پر چلنے میں آسانی ہوتی ہے جن پر ہم مدت سے عمل کر رہے ہیں۔ نئے کام یا نیا عمل کرنے کے لیے ہمیں ابتدا میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور اپنے ذہن و جسم کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ ہم جو بھی کام یا فعل مسلسل کرتے ہیں وہ ہماری عادت کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد ہمیں اسے کرنے کے لیے سوچنا یا سمجھنا نہیں پڑتا، یعنی وہ کام خود کار بن جاتے ہیں۔

ایک اچھی عادت ہماری توانائی اور قوت کو ضائع ہونے سے بچاتی ہے اور ہماری کارکردگی کو

بہتر بناتی ہے۔ بری عادت ہمارے لیے ایک ظالم افسر کی طرح ہوتی ہے، جس سے کم زور عزائم کے ساتھ ہم کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتے، حال آنکہ یہ ہمارے ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ عادتوں کو پروان چڑھانے میں ہمارا گھر، اسکول، محلے وغیرہ کا ماحول اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہم دوسروں کو جو کچھ کرتا دیکھتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں، ان کے لکھے کو پڑھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں مخصوص خاکے بنتے ہیں۔ ان میں سے بعض باتوں کو ہم مسترد کر دیتے ہیں اور بعض باتوں کو اپنا لیتے ہیں۔ پھر ان پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح ہمارے سوچنے اور عمل کرنے کے نمونے بن جاتے ہیں جو ہماری عادتوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اپنا محاسبہ کیجئے : کسی دن آپ اپنی شخصیت کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ انکشاف ہوگا کہ زندگی کی کئی خوشیوں کے حصول میں آپ ناکام رہے ہیں اور کئی ناخوش گوار عادات کو آپ نے اپنا لیا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ کی بعض عادتیں آپ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اپنی صحت اور شخصیت کی بہتری کے لیے چند اچھی عادتوں کو اپنانے کا عزم کیجئے اور نقصان دہ عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔

مثال کے طور پر آپ کو روزانہ جتنا کام کرنا چاہیے یا جتنے گھنٹے سونا چاہیے وہ آپ پورا کر رہے ہیں یا نہیں۔ آپ اگر غور کریں گے تو آپ کو اس بات کا علم ہوگا کہ آپ کئی گھنٹے بے معرف ضائع کر دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس وقت کو مفید کاموں میں استعمال کریں۔ جو بھی کام کرنے کا ارادہ کریں اس پر مستقل مزاجی سے عمل کریں اور اس پر عمل درآمد کی رفتار کی جانچ پڑتال کرتے رہیں۔

اپنی ذات کے تجزیہ میں اپنی صحت، خوراک، کام اور آرام کے اوقات کے علاوہ چند اور باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً آپ پریشانیوں کو اپنے اوپر طاری تو نہیں کر لیتے؟ کیا آپ کو غصہ جلدی آجاتا ہے؟ کیا آپ بات بات پر لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں؟ ان عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسروں کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔ دوسروں کی کوتاہیوں کو برداشت کرنے کی عادت ڈالیں۔

اچھی عادتیں اور اصول اپنانے کے لیے یکم جنوری کا انتظار نہ کیجئے۔ ابھی پختہ عزم کر لیجئے۔ یاد رکھیے! زندگی بہت مختصر ہے۔ اگر آپ غلط عادتوں کے غلام رہے تو زندگی مزید مختصر ہو

سکتی ہے۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے اور نئی اچھی عادتوں کو اپنانے کے لیے آپ کو اپنے آپ سے جنگ کرنی پڑے گی۔ اس کے لیے آپ کو سخت جدوجہد اور مستقل مزاجی سے کام لینا ہوگا۔ اگر اس دوران کسی مرحلہ پر بھی آپ نرم پڑ گئے تو آپ کا اپنی بہتری کا عزم دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور آپ دوبارہ اپنی عادتوں کی غلامی کے چکر میں پھنس جائیں گے۔

آزادی بڑی نعمت ہے

دس سال کی عمر میں قائد اعظم ایک گلی میں جا رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بجنے میں بند کچھ پر بندسلے جا رہا ہے۔ پرندے بجنے میں اڑنے کی کوشش کرتے اور مایوس ہو جاتے۔ قائد اعظم کو ان پر برا ترس آیا۔ آپ اس شخص کے پاس گئے اور کہا :

”تم نے ان پرندوں کو کیوں قید کر رکھا ہے؟“

اس شخص نے کہا : ”میں ان کو بیچ کر پیسے کمائوں گا۔“

یہ سن کر قائد اعظم نے کہا : ”تم ان کو آزاد کر دو۔“

اس نے جواب دیا : ”میں نے ان کو بڑی مشکل سے پکڑا ہے اور اب ان کو کیسے چھوڑ دوں؟“

آپ نے کہا تم یہیں ٹھہرو، میں ان کو خریدوں گا۔ یہ کہہ کر قائد اعظم گھر چلے گئے اور واپس آکر اس سے تمام پرندے خرید کر اسی وقت آزاد کر دیے۔ وہ شخص حیران ہوا کہ اتنا چھوٹا سا بچہ انہیں اپنے پاس رکھنے کے بجائے آزاد کر رہا ہے۔ اس نے قائد اعظم سے پوچھا کہ : ”تم نے ایسا کیوں کیا؟“

قائد اعظم نے جواب دیا کہ تم نہیں جانتے کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر ان پرندوں کی جگہ تم خود قید ہوئے تو تم پر کیا زحمتی؟ اس کا اندازہ تم خود لگا سکتے ہو۔

قائد اعظم کی یہ بات سن کر وہ شخص حیران ہوا کہ اتنا چھوٹا سا بچہ اتنی اچھی باتیں کر سکتا ہے۔ قائد اعظم کو بچپن ہی سے آزادی سے پیار تھا۔

گفتگو

عباس العزم

بات کرنے کا سلیقہ چاہیے
گفتگو کا بھی طریقہ چاہیے

گفتگو کا اک حسیں انداز ہو
نرم لہجہ، دل نشیں آواز ہو

اختلاف آپس میں ہو جائے اگر
بات میں پھر بھی نہ ہو تلخی مگر

پیار کا اظہار ہو گفتار سے
غیر بن جاتے ہیں اپنے پیار سے

نرم اور شیریں ہو ساری گفتگو
ہو ہمیشہ خوب پیاری گفتگو

کہہ رہا ہوں جو، عمل اس پر کرو
کان میری بات پر بچو! دھرو

بات یہ دل میں اترنی چاہیے
گفتگو نرمی سے کرنی چاہیے

پھول

رنگ
اور
خوشبو

صفیہ امتیاز



پیارے ساتھیو! آپ کو باغات میں گھومنا کیسا لگتا ہے؟ بہت اچھا لگتا ہے؟ ہاں بھی بہت مزہ آتا ہوگا۔ اسی لیے آپ ہر چھٹی والے دن اپنے امی ابو سے پارک جانے کی ضد کرتے ہوں گے۔ اچھا یہ بتائیے کہ باغ میں کون سی چیز آپ کو سب سے اچھی لگتی ہے؟ ہمیں پتا ہے کہ آپ کو باغ کے جھولوں میں جھولنا اور پھولوں کو توڑنا اچھا لگتا ہے۔

بھئی یہ تو ٹھیک ہے کہ رنگ برنگے خوب صورت اور خوشبودار پھولوں کو دیکھ کر توجی یہی چاہتا ہے کہ انھیں توڑ ہی لیں، لیکن ساتھیو! توڑنے سے تو پھول مرجھا جاتے ہیں نا؟ ان کی خوش بو بھی باقی نہیں رہتی اور ان کی خوب صورتی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تو پودوں پر ہی لگے ہوئے اچھے لگتے ہیں اور یہ بھی دیکھیں کہ پھول شاخ پر لگے ہوئے کتنے مزے سے جھولتے رہتے ہیں۔ آپ خود تو جھولا جھولتے ہیں اور پھولوں کو جھولنے نہیں دیتے۔ ننھے دوستو! ہماری یہ دنیا پھولوں کی وجہ سے اتنی خوب صورت نظر آتی ہے اور آپ بھی تو نرم اور نازک پھولوں کی طرح ہیں۔

آپ یہ تو ضرور جاننا چاہیں گے کہ ہماری دنیا کو خوب صورتی دینے والے یہ پھول کب سے اس دنیا میں موجود ہیں۔ تو بچو! آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جب سے یہ دنیا موجود ہے،

پھول بھی یہاں موجود ہیں، لیکن انسانوں کو ان کی خصوصیات کے بارے میں بہت بعد میں پتا چلا۔ آج بھی پھولوں پر تحقیق ہو رہی ہے اور انسان کو ان کی نئی نئی خاصیتوں کے بارے میں پتا چل رہا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انسان تقریباً پچاس ہزار سال سے پھولوں کو مختلف کاموں کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ دیکھا آپ نے؟ انسان اور پھول کا ساتھ کتنا پرانا ہے۔ پھولوں کی کاشت پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر مصر اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں کی گئی اور یہ کل کی بات نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً تین ہزار سال قبل کا ذکر ہے۔

پھول دنیا بھر میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ گرم اور ریتیلے ریگستانوں سے لے کر اونچے اونچے پہاڑوں تک ہر جگہ پھول ہوتے ہیں۔ ہماری دنیا کو پھولوں سے سجانے کے لیے اندازہ ہے کہ ڈھائی لاکھ اقسام کے پودے زمین پر پائے جاتے ہیں۔ ہر پھول کی جسامت، رنگ اور پنکھڑیوں کی بناوٹ اور تعداد دوسرے پھولوں سے مختلف ہوتی ہے۔

سائنسی تحقیق کی روشنی میں پھولوں کی سیکڑوں قسمیں دریافت ہو رہی ہیں۔ سائنس دان مختلف قسموں کے پھولوں کو آپس میں ملا کر نئی اقسام کے پھول تیار کر رہے ہیں، جب کہ پھول



دنیا کا سب سے بڑا پھول ریفلیشا ہے

قدرتی طریقوں سے بھی اپنی نسل اور قسم بڑھاتے ہیں۔ قدرتی طریقوں میں یہ ہوتا ہے کہ پھولوں میں موجود زرغل، جو باریک دانوں کی شکل میں ہوتا ہے، ہوا سے اڑ کر یا اپنے اوپر بیٹھنے والی شہد کی مکھیوں یا دیگر کیڑوں کوڑوں کے پیروں میں چپک کر دوسرے پھولوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس زرغل کے دوسرے پھولوں سے ملنے کے نتیجے میں نئی قسم کے پودے اگتے ہیں اور ان میں مختلف قسم کے پھول کھلتے ہیں۔

پھول ہر رنگ میں ملتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ پودے میں ہونے والے مختلف کیمیائی مرکبات کے سبب ایک ہی پودے میں مختلف رنگ کے پھول ہوتے ہیں۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے نا؟

بچو! یہ تو آپ کو بتایا ہی ہے کہ جب سے یہ دنیا موجود ہے پھول بھی یہاں موجود ہیں، لیکن حال ہی میں یعنی ۱۹۸۹ء میں امریکا کے لیوبکی اور ڈیوڈ ٹیلر نے دنیا کا قدیم ترین پھول دریافت کیا ہے۔ یہ پھول اوسٹریلیا میں پایا گیا ہے اور تقریباً ۱۲۰ ملین (۱۲ کروڑ) سال پرانا پھول ہے۔ یہ پھول دو پتوں کے ساتھ ہے اور اس کے پودے کی شکل کالی مرچ کے پودے سے ملتی جلتی ہے۔

دوستو! یوں تو آپ کے گھر کے باغیچے میں کئی طرح کے پھول ہوں گے۔ چھوٹے بڑے ہر سائز کے پھول آپ نے دیکھے ہوں گے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ سب سے چھوٹا پھول کون سا ہے؟ ہم بتاتے ہیں، یہ ایک آبی پودا ہے یعنی پانی میں تیرنے والا پودا جو ۱۹۸۰ء میں اوسٹریلیا میں دریافت ہوا۔ اس پودے کا پھول صرف ۰.۰۶ ملی میٹر لمبا ہے اور ۰.۰۳۳ ملی میٹر چوڑا ہے اور اس کا وزن ۰.۰۰۱۵ گرام ہے۔

سب سے چھوٹے پھول کے بعد آپ سب سے بڑے پھول کے بارے میں جاننا چاہیں گے تو بھی دنیا کے سب سے بڑے پھول کا نام ”ریفلیشا“ ہے یہ تقریباً تین فیٹ تک پھیلا ہوتا ہے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ اس کا سائز ٹریکٹر کے ایک ٹائر کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بورنیو (انڈونیشیا) کے بارانی جنگلات میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

یہ تو ہم سب جانتے ہی ہیں کہ کچھ پھولوں کے پودے آہستہ آہستہ بڑے ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض پودے تیز رفتاری سے بڑھتے ہیں، لیکن ساتھیو! ایک پھول کے پودے نے تو



دنیا کا قدیم ترین
پھول اوسٹریلیا
میں پایا گیا ہے
جو تقریباً ۱۳ کروڑ
سال پرانا ہے



ایک اونس عطر
تیار کرنے کے لیے
تقریباً ۶۰,۰۰۰ گلاب
کے پھولوں کی
پسکھرٹیاں
درکار ہوتی ہیں



تیزی سے بڑھنے میں ایک رکارڈ قائم کر دیا۔ جولائی ۱۹۷۸ء میں سسلی کے جزائر میں ایک پھول کا پودا صرف ۱۳ دن کی مختصر سی مدت میں تقریباً ۱۲ فیٹ تک بڑھ گیا۔ یہ پودا المی (سوسن) کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اتنی تیز رفتاری سے بڑھنے کا رکارڈ کسی اور پھول کے پودے نے اب تک قائم نہیں کیا۔

بچو! پھولوں کو ہم اس لیے بھی پسند کرتے ہیں کہ وہ بھینی بھینی خوشبو پھیلاتے ہیں۔ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ پھولوں میں اتنی اچھی خوشبو آتی کہاں سے ہے؟ بھی زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں، اصل میں ہر پھول کا پودا اپنے اندر موجود کیمیائی مرکبات کی مدد سے مخصوص قسم کا تیل تیار کرتا ہے۔ یہ تیل خوشبو دار ہوتا ہے اور جب پھول کی پسکھرٹیوں سے یہ تیل باہر آتا ہے تو ہمیں خوشبو محسوس ہوتی ہے اور یہ تیل ہوا میں

بخارات بن کر اڑتا ہے تو ہمیں دور سے ہی خوشبو آنے لگتی ہے۔ ہر قسم کا پھول اپنا مخصوص تیل تیار کرتا ہے۔ اسی لیے ہر پھول کی خوشبو دوسرے پھول سے جدا ہوتی ہے۔ بعض پھولوں کے کھلنے کا وقت بھی مخصوص ہوتا ہے مثلاً رات کی رانی کا پھول رات کو ہی کھلتا ہے۔ سورج کبھی کا پھول سورج طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ کھلتا ہے۔ گل عباس کا پھول سہ پہر کو تقریباً چار بجے کھلتا ہے۔ اس لیے اس کا نام ”نور او کلاک“ رکھا گیا ہے۔ خوشیوں کے مواقع پر، تہواروں اور تقریبات میں پھولوں کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔ لڑکیاں پھولوں کے زیور بنا کر پہنتی ہیں تو لڑکے ان کا ہار بنا کر پہنتے ہیں۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں پھولوں کو مذہبی تقریبات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پھولوں سے گھر کے کمروں اور مختلف جگہوں کو سجایا بھی جاتا ہے اور بھی ان سب کاموں

کے علاوہ پھولوں کا سب سے اہم کام ہمارے لیے غذا اور دوا تیار کرنا بھی ہے۔ بہت سی اقسام کے پودے مختلف دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یونانی دواؤں میں پھولوں کا خاص طور سے استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے ممالک میں پھول کھائے بھی جاتے ہیں۔ جب کہ ہم جو پھل کھاتے ہیں، وہ بھی تو دراصل پھول ہی ہوتے ہیں، کیوں کہ تمام پھل، پھولوں ہی سے بنتے ہیں۔

پاکستان میں بھی پھولوں کی ہزاروں اقسام پائی جاتی ہیں اور اسلام آباد اور کراچی میں پھولوں کی نمائش بھی ہر سال باقاعدگی سے ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں ہونے والی گلاب کے پھولوں کی اور کراچی میں ہونے والی گل داؤدی کے پھولوں کی نمائش تو پورے پاکستان میں مشہور ہے۔ ساتھیو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ پھولوں کا بادشاہ کس پھول کو کہا جاتا ہے؟ بالکل صحیح کہا آپ نے! گلاب کے پھول کو پھولوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ پھولوں میں سب سے خوب صورت اور مشہور پھول گلاب کا پھول ہے۔ پوری دنیا میں گلاب کی تین سو سے زائد اقسام موجود ہیں اور ان کی بھی مزید سات ہزار سے زائد قسمیں ہیں۔

مختلف اقسام کے گلاب کے پھولوں کی پنکھٹیاں بھی مختلف تعداد میں ہوتی ہیں۔ ایک قسم کے گلاب کی صرف چار پنکھٹیاں ہوتی ہیں جب کہ گلاب کی ایک قسم ہے جس میں ساٹھ سے سو تک پنکھٹیاں موجود ہوتی ہیں۔ گلاب کا پھول اپنی خوب صورتی، خوش بو اور دل کشی کے سبب ہمارے ادب، شاعری اور گیتوں وغیرہ میں بہت استعمال ہوتا ہے۔ اس پھول کو امن کا نشان بھی سمجھا جاتا ہے۔ یوں تو کسی سے لڑنا نہیں چاہیے، لیکن اگر آپ کی کسی دوست سے لڑائی ہو جائے تو آپ کو پھر اس سے دوستی کر لینی چاہیے۔ آپ اپنے دوست کو گلاب پیش کر دیں۔ آپ کی فوراً دوستی ہو جائے گی۔ اپنی خوب صورتی کی وجہ سے گلاب کا پھول خواتین کے زیورات میں، مصوری میں، آرائشی اشیاء وغیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

سائنسی تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ گلاب کا پھول وٹامن سی کا خزانہ ہے۔ گلاب کے پھولوں سے گل قد بھی تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گلاب سے عرق گلاب، گلاب کا تیل اور گلاب کا عطر بھی تیار ہوتا ہے۔ آپ کو شاید حیرت ہوگی کہ صرف ایک اونس عطر تیار کرنے کے لیے تقریباً ۶۰۰۰۰ گلاب کے پھولوں کی پنکھٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔



یہ بات تو آپ سب ساتھیوں کو معلوم ہوگی کہ پاکستان کا قومی پھول چنبیلی ہے، لیکن یہ بات شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ کئی ملکوں کا قومی پھول گلاب کا پھول ہے۔ ان ممالک میں بلغاریہ، چیکو سلواکیہ، برطانیہ، ہونڈراس، ایران، رومانیہ اور ترکی شامل ہیں۔ اگر آپ پھولوں کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ اور یہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں تو اپنے گھر کے باغیچے میں مختلف اقسام کے پھولوں کے پودے لگائیے اور ان کی دیکھ بھال بھی کیجیے۔

بعض پھول اتنے خوب صورت ہوتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ انھیں محفوظ کر لیں، اگر آپ کوئی پھول محفوظ کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔ اس کے لیے آپ کو جاذب کانڈ کی شیٹ، پھول، لکڑی کا بھاری تختہ یا بھاری کتاب کی ضرورت ہوگی۔

سب سے پہلے تو آپ جاذب کانڈ پر پھول ترتیب سے رکھ دیں، پھر اس کو دوسرے جاذب کانڈ سے ڈھانپ دیں، اوپر سے بھاری کتاب یا لکڑی کا تختہ رکھ دیں۔ تقریباً دو ہفتے تک انھیں اسی طرح رکھا رہنے دیں۔ دو ہفتے بعد بہت آہستہ سے کانڈ ہٹا کر پھول کو جاذب کانڈ سے الگ کر لیں۔ اب آپ ان پھولوں کو جہاں رکھنا چاہتے ہیں، رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح پھول اپنے اصلی رنگ میں بہت دنوں تک آپ کے پاس محفوظ رہیں گے۔

شہزادہ خوشی خوشی ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گیا

دوا پلانے کی ساری کوششیں بیکار گئیں، کیوں کہ مریض بجائے دوا پینے کے بیل کی آوازیں نکالتا اور کہتا ”مجھے ذبح کرو! مجھے ذبح کرو۔“

بادشاہ علاء الدولہ بہت فکر مند ہوا کہ آخر کیا کیا جائے؟ بادشاہ کا وزیر خواجہ ابو علی ہوشیار اور سمجھ دار تھا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت لے کر حکیم شیخ بو علی سینا کو بلایا۔ شیخ نے آکر مریض کے سب حالات سنے۔ مریض کو دیکھا اور غور و فکر کرنے کے بعد بادشاہ سے کہا:

”جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کیا جائے اور ذرا پس و پیش نہ کی جائے۔“

پھر اس نے کہا کہ اب شہزادے سے کہیے کہ تمہیں ذبح کرنے کے لیے قسائی آگیا ہے۔ شہزادہ خوشی خوشی ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گیا اور ڈکارتا ہوا اٹھا۔ شیخ نے اپنے دو ساتھیوں سے اس کے ہاتھ پاؤں بندھوائے اور پھر قسائیوں کی طرح چھری رگڑ کر آگے بڑھے اور شہزادے کے سینے پر چڑھ کر ذبح کرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ پھر شہزادے کے بدن کو ٹٹولا، ادھر ادھر الٹ کر دیکھا۔ خوب معاینے کے بعد کہنے لگے:

”یہ بیل کم زور بہت ہے۔ ہم ایسے کم زور بیل کو ذبح کر کے کیا کریں گے۔ اسے پہلے خوب کھلاؤ جب موٹا تازہ ہو جائے گا تو آکر ذبح کر دیں گے۔“

مریض شہزادہ سب سنتا رہا۔ اسے یقین ہو گیا کہ جب وہ خوب کھا پی کر تن درست ہو جائے گا تو اس وقت اسے ضرور ذبح کر دیں گے۔ پھر شہزادے کے ہاتھ پاؤں کھول دیے گئے۔ اب شہزادے نے خوب کھانا پینا شروع کر دیا۔ دوائیں بھی شوق سے استعمال کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ اس کا مرض جاتا رہا اور وہ باہوش اور عقل مند شہزادہ بن گیا۔

۵۷

اسلامی دور میں سب سے پہلے سرائیں بنانے کا کام

ہندستان کے اسلامی دور میں سب سے پہلے سلطان محمد تغلق شاہ نے سرائیں قائم کیں۔ ہندستان کے تقریباً درمیان میں راجہ بکماجیت نے شہراجین کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے اسی علاقے میں ایک مقام دیوگر یا دیوگرھ کو اپنا دارالسلطنت بنایا جس کا بعد میں دولت آباد نام پڑا۔ محمد تغلق نے دہلی سے دولت آباد تک ہر منزل پر ایک سرائے بنوائی اور راستوں کے کنارے سایہ دار درخت لگوائے۔



عارف عمار عادل

انوکھا علاج

یقیناً آپ کو معلوم ہو گا کہ آج کل بیماریوں کا علاج کیسے کیا جاتا ہے۔ علاج کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً طب مشرقی، ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی وغیرہ، مگر ہم آپ کو ایک ایسے طریقہ علاج کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جو بالکل انوکھا ہے۔

حکیم شیخ بو علی سینا دنیا کے عظیم سائنس دان اور طبیب تھے۔ انھوں نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ شیخ بو علی سینا بیماریوں کا علاج کرنے کے سلسلے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

ایک بار خاندان آل بویہ کا ایک شہزادہ مایولیا میں مبتلا ہو گیا۔ اس شہزادے کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو بیل سمجھنے لگا تھا۔ وہ بیل کی طرح ڈکارتا اور ”ہاں ہاں“ کرتا۔ وہ شہزادہ کھاتا پیتا بھی نہ تھا۔ خاندان کے سب لوگ حیران و پریشان تھے۔ مرض کی تشخیص تو ہو گئی، مگر

حسن ذکی کاظمی

”خبردار! نوواردوں کے لیے اس سے آگے جانا منع ہے۔“ کاہی یہ بورڈ دیکھ کر ٹھٹھک گیا اور اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے شانتو سے کہا: ”چلو واپس چلیں۔“

”چھوڑو بھی! تم نے پھر لڑکیوں کی طرح ڈرنا شروع کر دیا۔“

کامی اور شائق اس سیارے پر نئے آنے والوں میں سب سے کم عمر تھے۔ ان دونوں کا شمار اپنے ملک کے خلائی تحقیق کے ادارے میں زیر تربیت انتہائی ہونمار طالب علموں میں ہوتا تھا۔ ان کی ذہانت اور گہری دل چسپی کی وجہ سے شاہلا پر جانے والی تیسری پرواز میں انھیں بھی شامل کر لیا گیا۔ ان کی ابتدائی تربیت خلائی تحقیق کے ادارے میں ہوئی اور طے پایا کہ شاہلا بچنے کے بعد انھیں ہر شعبے میں تھوڑے تھوڑے دن کام کرنے کا موقع دیا جائے گا تاکہ آئندہ کے لیے ان کی صلاحیتوں کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جاسکے۔

شاہلا کی پہلی دو پروازوں میں جو لوگ آئے ان میں خلا نورد، موسمیات کے ماہر، ارضیات

سب کے لیے
موتور قدرتی علاج

تذللہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش کی مفید دوا

مجلس شورای عالی
تجدید و استوار کردن
قوانین اساسی و اصلاحات
قانون اساسی و قوانین اساسی
قانون اساسی و قوانین اساسی
قانون اساسی و قوانین اساسی

روغنیات فراری اور
نباتات کا طبعی مرکب

سُعَالِيْن

پندرہ

Adarts-SUA-3/95-1

کے ماہر، نقشہ ساز، حیوانات و نباتات کے ماہر اور بعض دوسرے سائنس دان تھے۔ یہ دونوں پروازیں فی اعتبار سے بھی بہت کام یاب رہیں اور سارے سائنس دان اس بات پر متفق تھے کہ شاہلا کے حالات کم و بیش زمین جیسے ہیں البتہ وہاں کسی حیوانی مخلوق کا پتا نہیں چلا ہے۔ صرف ایک سائنس دان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس نے گہرے ہرے رنگ کا ایک ایسا ڈھیر دیکھا جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا، لیکن چند لمحوں بعد وہ گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ کافی دیر بحث کے بعد اس بات کو دوسرے تمام لوگوں نے محض ایک وہم قرار دیا۔

شانٹو اور کامی نے یہ بات سن رکھی تھی لہذا شانٹو نے کامی کو خوف زدہ کرنے کے لیے اس گہرے ہرے ڈھیر کا ذکر نکالا:

”کامی! ہم اتنا آگے نکل آئے ہیں کہ اگر وہ مخلوق ہمیں واقعی مل گئی تو بھانگنا مشکل ہو جائے گا۔“

کامی پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا: ”جب ایسا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ البتہ مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ اب ہماری تلاش شروع ہو چکی ہوگی۔ واپس چلنا چاہیے۔“ شانٹو نے بڑی لاپرواہی سے کہا:

”بات یہ ہے کہ سزا تو بہر حال ملے گی۔ پھر ہم اور آگے کیوں نہ جائیں؟“

”ہاں، لیکن ہمیں وقت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی ہمیں راستوں کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہے۔ یہاں صرف تجھے گھٹے روشنی رہتی ہے جس میں سے آدھا وقت گزر چکا ہے۔“

کامی پر اس خیال سے ہی خوف طاری ہونے لگا کہ اگر وہ راستہ بھٹک گئے اور اندھیرا ہو گیا تو کیا ہوگا، لیکن وہ اپنے اس خوف کو شانٹو پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ پھر طعنے نہ دینے لگے۔ ادھر شانٹو نے کامی کی طرف دیکھے بغیر کہا:

”دوست تم بھی بات کبھی کبھی ٹھیک کہہ جاتے ہو۔ واقعی ہمیں روشنی ختم ہونے سے پہلے واپس پہنچ جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ سب لوگ ابھی یہی سمجھ رہے ہوں کہ ہم کپتان کی ہدایت کے مطابق پہرے پر کھڑے ہیں۔“

وہ دونوں ایک ساتھ واپس مڑے اور جس راستے سے آئے تھے اس پر چلنا شروع کیا۔ ابھی تھوڑا ہی چلے تھے کہ کامی نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا: ”کیا ہم ٹھیک راستے پر جا رہے

ہیں؟“

”کیوں؟ تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟“ شانٹو نے کہا۔

کامی نے آگے بڑھتے ہوئے پھر دائیں بائیں دیکھا اور کہنے لگا: ”تم نے غور نہیں کیا کہ وہ اخروٹ جو میں نے تھوڑی تھوڑی دور پر نشانی کے لیے ڈالے تھے، کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔“

”ارے ہاں! یہ کیا ماجرا ہے؟“ شانٹو چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحے بعد اس نے پھر چلنا شروع کیا اور بولا:

”خیر کوئی بات نہیں، چلتے رہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔“

کامی پریشان سا ہو کر بولا: ”لیکن خیال سے کام تو نہیں چلے گا۔ ہمیں کچھ...“

شانٹو نے بات کاٹی: ”اچھا تو پھر یہیں کھڑے رہو۔ قسمت میں ہوگا تو کپتان اور اس کے ساتھی خود آکر تلاش کر لیں گے۔“

کامی کو اس کے طنزیہ لہجے پر غصہ تو آیا، لیکن وہ برداشت کر گیا اور کہنے لگا:

”دیکھو! بات یہ ہے کہ ایک تو راستے سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے اور دوسرے یہ کہ

اخروٹ خود بہ خود تو غائب نہیں ہو سکتے۔ انھیں یقیناً کسی نے اٹھایا ہوگا۔“

”ہوں ہوں.... بات تو سمجھ میں آتی ہے۔“ شانٹو نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور پھر وہ زور سے اچھل پڑا۔

”کامی! وہ دیکھو وہ کیا ہے؟“ اس نے انگلی سے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

کامی نے اس طرف دیکھا تو وہ سہم سا گیا۔ درخت کے تنے کے نچلے حصے میں ہرے رنگ کا تار جیسا ایک لمبا سا ڈنٹھل نکلا ہوا تھا جس کے سرے پر ایک موٹی سی کلی تھی۔ یہ کلی اس طرح کھلتی اور بند ہوتی تھی جیسے گھوڑا اپنا منہ کھولتا اور بند کرتا ہے۔ کلی کا منہ کھلا تو شانٹو اور

کامی نے دیکھا کہ اس میں اخروٹ رکھا ہے۔ دوسرے ہی لمحے منہ بند ہو گیا۔ دونوں نے ادھر

ادھر نظر دوڑائی تو انھیں پتا چلا کہ ہرے درخت کے تنے میں اسی طرح کے ڈنٹھل لگے ہوئے

ہیں، لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اخروٹ ان تک کیسے پہنچے۔ یہ بات انھیں کچھ دیر بعد معلوم ہوئی کہ جو چھوٹی موٹی چیز ان ڈنٹھلوں کی پہنچ میں ہوتی ہے اسے آگے بڑھ کر منہ میں رکھ لیتے

تھے۔ ان کے منہ میں ایک ایسا کیمیائی مادہ پیدا ہوتا تھا جو اس چیز کو گلا دیتا تھا اور یہ درخت کی غذا بن جاتے تھے۔

مختصر طور پر یہ کہ راستہ یاد رکھنے کے لیے جو اخروٹ ڈالے گئے تھے، ڈنٹھلوں کے منہ میں جا چکے تھے اور شانتو اور کامی اپنا راستہ بھٹک چکے تھے۔ روشنی کم ہونا شروع ہو گئی تھی اور ان کا اندازہ تھا کہ تقریباً ایک گھنٹے میں اندھیرا ہو جائے گا۔ چارونا چار دونوں نے اندازے سے چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انھیں محسوس ہوا کہ ان کے کپڑوں اور ہاتھوں پر لال لال چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ابھی وہ ان سہرخ چھینٹوں کا راز پانے کی کوشش ہی کر رہے تھے کہ ہوا میں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ شانتو اور کامی ٹھٹک گئے اور دونوں کی نظریں اوپر اٹھیں۔ ان کے سروں پر تتلیوں کا ایک غول منڈلا رہا تھا۔ یہ تتلیاں نہایت خوش رنگ تھیں اور شکل میں بھی ہماری دنیا کی تتلیوں سے ملتی جلتی تھیں، لیکن جسامت میں ایک تتلی ہماری پر پھیلائی مینا کے برابر تھی اور ان کے پروں سے سرخ منحنی بوندیں اس طرح گر رہی تھیں جیسے بارش کی ہلکی ہلکی پھوار ہو۔

شانتو اور کامی کا خوف اب اس مرحلے میں تھا کہ وہ ایک دوسرے سے کچھ بول بھی نہیں رہے تھے۔ سراسیمگی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور خاموش رہتے۔ البتہ دل میں دونوں پچھتا رہے تھے کہ انھوں نے کیا حماقت کی جو شاہلاہ پر آمد کے دوسرے تیسرے دن ہی بغیر کسی سے مشورہ کیے اور بغیر اطلاع دیے اپنی دیوٹی چھوڑ کر اتنی دور نکل آئے۔

اب شانتو اور کامی جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے درخت تو تھوڑے فاصلے پر تھے، لیکن سبزہ خوب تھا اور جھاڑیاں بھی کافی تھیں۔ دونوں نے ایک بار پھر سورج سے اپنی سمت کا اندازہ لگایا اور چل پڑے۔ چند قدم آگے گئے تھے کہ ایک ٹیلا راہ میں حائل پایا۔ گہرے ہرے رنگ کا ٹیلا جس پر دو تتلیاں اپنے غول سے بچھڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

چند لمحے بعد زور دار پھنکار سنائی دی۔ دونوں نے سسم کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا اور رک گئے۔ ہرے ٹیلے پر دو تین لال دھبے بھی تھے اور اب اس میں ہلکی سی جنبش بھی محسوس ہو رہی تھی۔ انھیں اب یقین ہو چکا تھا کہ پہلی پرواز کے سانس داں نے جس گہرے ہرے

ڈھیر کا ذکر کیا تھا اور جو تھوڑی دیر میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا وہ اب ان کے سامنے ہے۔

کامی نے سسمی ہوئی آواز میں شانتو سے کہا :
”لیکن اس کی پیٹھ پر یہ لال لال دھبے کیسے ہیں؟“
شانتو کچھ دیر ادھر ادھر تکتا رہا اور پھر بولا :

”میرا خیال ہے یہ خون کے دھبے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ تتلیاں ڈنک مار مار کے اسے زخمی کرتی ہیں اور پھر اس کا خون چوستی ہیں۔“ اس نے اپنے کپڑوں اور ہاتھ پر پڑے ہوئے چھینٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

”دیکھو یہ اس کا خون ہی ہے جو تتلیوں کے پروں میں لگ گیا تھا۔“

کامی نے برا سامنہ بنایا اور بولا : ”مجھے تو اس خیال ہی سے متلی ہونے لگی کہ یہ تتلیاں ایسے ہیبت ناک جانور کا خون چوس کر اپنی غذا حاصل کرتی ہیں۔ ہماری تتلیاں تو پھولوں کا رس چوستی ہیں۔“

”تم بھی کمال کرتے ہو۔ یہ تتلیاں کہاں ہیں! بس پر تتلی جیسے ہیں، لیکن دیکھو یہ کتنی بڑی ہیں اور پھر ڈنک بھی ہیں ان کے۔“ شانتو نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کامی نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے ہرے ڈھیر کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی تتلیوں کا غور سے جائزہ لیا اور چونک کر بولا : ”انھوں نے اس جانور کی پیٹھ کو... اگر یہ واقعی کوئی جانور ہے، خاصا زخمی کر دیا ہے۔ شاید یہ گوشت بھی کھاتی ہیں۔“

مشاہدہ اور تحقیق کا شوق اب ان دونوں پر پوری طرح حاوی تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ وہ خوف خود بخود کافی کم ہو گیا جو یہ منظر دیکھ کر شروع میں ان پر طاری ہوا تھا۔ اب ان کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ اس معاملے کی یہ تک پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ اپنے اسی شوق و تجسس اور لگن کے باعث وہ اپنے تربیتی کورس میں سب سے ممتاز تھے اور اسی وجہ سے انھیں اس پرواز میں ساتھ لانے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔

ان دونوں ذہین اور باہمت لڑکوں کے درمیان گفتگو کا وہ سلسلہ جو ڈر اور پریشانی کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اب دوبارہ جڑ چکا تھا۔ کامی نے اس ہرے ڈھیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :

”دیکھو شانتو! اب ہمیں ایک ایک چیز کا بہت غور سے جائزہ لینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمیں راستہ نہ بھی ملا تو وہ لوگ ہمیں تلاش کر لیں گے اور بظاہر یہ جانور...“

”اگر یہ جانور ہے تو...“ شانتو مسکرا کر بولا۔

”ہاں اگر یہ جانور ہے تو بھی بظاہر ہمیں یہ کوئی نقصان پہنچانے کے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا۔ اب ہمیں ایک ایک چیز کو اپنے ذہن میں نوٹ کر لینا چاہیے تاکہ...“

”سب سے پہلے ہم اس سیارے کے بارے میں یعنی اس کے ماحول کے بارے میں رپورٹ دے سکیں اور دوسرے سب لوگ ہم سے پیچھے رہ جائیں۔“ شانتو نے کامی کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں! میرا یہی مطلب ہے، کیوں کہ ہم نے اگر کیپٹن کو مکمل رپورٹ دی تو وہ یقیناً ہماری غلطی کو معاف کر دے گا اور صرف یہی نہیں بلکہ ہماری ترقی کے امکانات بھی پیدا ہو جائیں گے۔“ کامی نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

خوف کے آثار اب بالکل ختم ہو چکے تھے اور وہ دونوں کافی اطمینان سے باتیں کر رہے تھے۔

کامی نے کہا: ”یشیہ کی سویوں والے درخت تو غالباً سب ہی نے دیکھ لیے ہوں گے، کیوں کہ وہ جہاز کے قریب ہی تھے، لیکن وہ درختوں کے سانپ کی طرح لہراتے ہوئے ڈنھل اور یہ تتلیاں اور پھر یہ...“

شانتو نے پھر بات کاٹی: ”مگر تم اسے جانور کہتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو۔ میرے بھائی کیا تمہیں اس کی حرکت اور اس کا خون دیکھنے کے بعد بھی کچھ شبہ ہے۔“

”نہیں، یہ بات نہیں۔ اب تو مجھے یقین ہے، لیکن یہ کم بخت نہ چل رہا ہے اور نہ ان تتلیوں کو کچھ کہہ رہا ہے جو اسے نوچے جارہی ہیں۔“ کامی نے بڑی معصومیت سے کہا۔

شانتو نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: ”کیا خیال ہے اس کے اور قریب جا کر دیکھیں۔“

کامی نے کہا: ”ہاں خیال تو برا نہیں۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ آخر کب تک اس طرح یہ ہمارا راستہ روکے رہے گا۔“

اب دونوں نے دبے پاؤں آگے بڑھنا شروع کیا۔ ان کے آگے بڑھنے سے اس ہرے ڈھیر پر تو کوئی اثر نہ ہوا البتہ دونوں تتلیاں وہاں سے اڑیں اور ان میں سے ایک شانتو کے منہ پر اور دوسری کامی کے بازو پر حملہ آور ہوئی۔ ان دونوں نے گھبرا کر انھیں جھٹکا۔ وہ نیچے گریں اور ایک بار پھر حملہ کیا۔ شانتو اور کامی کے زخموں سے خون رسنے لگا اور ان کی مزاحمت کے باوجود تتلیوں نے کئی حملے کیے۔ وہ اب نئے زخم لگانے کے بجائے رستے ہوئے خون کو چوسنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ شاید انھیں انسانی خون اس بیہت ناک جانور کے خون سے زیادہ مزے دار لگا تھا یا پھر وہ منہ کا مزہ بدلنا چاہتی تھیں۔

بالآخر شانتو اور کامی دونوں تتلیوں کو بھگانے میں کامیاب ہو گئے، لیکن وہ ٹھک بھی گئے تھے اور زخموں میں خاصی جلن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ انھیں یہ بھی خیال تھا کہ اس جانور کی طرف سے بالکل بے فکر نہیں ہو جانا چاہیے۔ کیا معلوم وہ بھی حملہ کر دے۔

اچانک ہوا میں پھر سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ شانتو نے اوپر دیکھا اور چلایا:

”کامی! اپنے آپ کو بچاؤ! تتلیوں کا غول واپس آ رہا ہے۔“

دم بھر میں غول ان کے سر پر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں تتلیاں اپنی حمایت کے لیے یعنی اس اجنبی مخلوق انسان سے بدلہ لینے کے لیے بلا کر لائی تھیں یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ انسانی خون سے اپنی طرح دوسری تتلیوں کے منہ کا ذائقہ بھی بدلوانا چاہتی ہوں۔

ابھی شانتو اور کامی اپنے بچاؤ کے لیے سنبھلے بھی نہ تھے کہ پانچ پتھے تتلیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ انھوں نے ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی، لیکن وہ تتلیوں کے حملے کو پوری طرح ناکام نہ بنا سکے اور ان کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ اچانک انھیں وہی پھنکار سنائی دی جو

کچھ دیر پہلے انھوں نے سنی تھی۔ وہ گہرا ڈھیر تیزی سے اوپر اٹھا اور اپنے چاروں پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پاؤں ہاتھی جیسے تھے، اس کا جسم خصوصاً پیٹھ کھوے کی طرح تھی۔ دم کافی لمبی تھی جو شروع میں موٹی اور پھر پتلی ہوتی گئی تھی۔ دم کو وہ کبھی لہراتا اور کبھی پٹختا تھا۔ شاید یہ غصے کا اظہار ہو۔ منہ مگر مچھ کی طرح کا تھا جس پر دو گول گول بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ منہ

سے کوئی ایس دار گاڑھی گاڑھی چیز نہ رہی تھی۔ یہ خوف ناک جانور آگے بڑھا تو اس کے سر کے پیچھے سے ایک ڈنڈے کی طرح کی چیز ابھری جو آگے سے مڑی ہوئی تھی اور اس کے

کنارے پر ایک گول منہ بنا ہوا تھا۔ یہ کچھ ایسا لگتا تھا کہ جیسے دھات کے ایک لچک دار اسٹینڈ میں مائکروفون لگا کر اسے آگے کی طرف موڑ دیا گیا ہو۔ اس عجیب مخلوق کا جسم ایک بار زور سے کانپا اور اس نے اس مائکروفون نما چیز کا رخ تیلیوں کی طرف کر کے پھنکارنا شروع کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس عضو سے ہوا کے فوارے چھوٹ رہے ہیں جنہوں نے تیلیوں کو دور بھگا دیا۔

کامی کی آواز دور سے سنائی دی : ”شانٹو! تیز بھاگو! ایک بلا سے پیچھا چڑھا ہے اب کہیں دوسری جگہ نہ پڑ جائے۔ بالکل نہ ڈرو، یہ ہماری جسم والا جانور ہم سے تیز نہیں دوڑ پائے گا۔“ شانٹو نے دیکھا کہ کامی خاصا دور پہنچ گیا ہے۔ بس سورج کی آخری کرنیں تھوڑی سی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ اندازہ یہ تھا کہ چند منٹ بعد اندھیرا ہو جائے گا۔ شانٹو نے اس سمت میں دوڑنا شروع کر دیا جس سمت کامی گیا تھا۔ وہ جلد ہی کامی کے پاس پہنچ گیا پھر دونوں ساتھ بھاگتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کا سانس پھول گیا اور ان کی رفتار بہت سست ہو گئی۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ وہی ہرے رنگ کا ڈھیر ایک بار پھر ان کی راہ میں حائل تھا۔ کامی پر دہشت طاری ہو گئی۔ اس کا اندازہ غلط نکلا کہ اس مخلوق کی رفتار ان سے بہت کم ہو گی۔ اس نے ان کا پیچھا کرنے کے بجائے تھوڑا مختلف راستہ اختیار کیا اور پھر ان کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔

کامی نے بڑی کم زور آواز میں کہا : ”بس اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔“ اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔

کامی کتنی دیر، ہوش رہا اسے کچھ اندازہ نہ تھا۔ ہوش آنے کے بعد اس نے آنکھ کھولی تو ہر طرف اندھیرا تھا۔ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی روشنی بہت مدھم تھی لہذا صاف کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ایک عجیب بات محسوس کی اور وہ یہ کہ اس کے زخموں کی تکلیف دور چکی تھی البتہ زخموں پر انگلیاں پھیرنے سے محسوس ہوا کہ ان پر کوئی لیس دار گاڑھی سی چیز ملی ہوئی تھی۔ کامی کوٹ سے لینا تھا اور اس کی پیٹھ ایک دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ دیوار خاصی نرم ہے اور اس میں کچھ

حرکت بھی ہو رہی ہے۔ کامی نے جلدی سے کوٹ بدلی تو مدھم روشنی کے باوجود اسے وہی ہرا ہرا جسم نظر آیا۔ بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن بد ہیبت جانور نے کامی کو اپنی دم میں کس لیا اور اس کی کوشش ناکام بنا دی۔ کامی کو کچھ تو اپنی بے بسی پر رونا آیا اور کچھ شانٹو کی فکر ہوئی۔ اس نے سوچا : ”پتا نہیں شانٹو کس حال میں ہوگا؟ زندہ بھی ہو گیا نہیں؟“

پھر اس نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ کیا وہ ہمیشہ اس بد ہیبت مخلوق کی قید میں رہے گا اور بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ملے گا؟

اچانک اسے کچھ فاصلے سے شانٹو کی آواز سنائی دی : ”کامی! ڈرو مت۔ ہمت نہ ہارنا! میرا خیال ہے یہ جانور ہمیں ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا۔“ ”تم آخر ہو کہاں؟“ کامی خوشی سے اچھل پڑا۔

”میں اس زندہ دیوار کی دوسری طرف ہوں۔ میرے زخم اب کافی ٹھیک ہو گئے ہیں، لیکن ان پر کچھ عجیب سی لیس دار چیز ملی ہوئی ہے۔“

”شانٹو! ابھی مزید باتوں کے موڈ میں تھا، لیکن انھیں ایسا لگا کہ جیسے ایک دم روشنی ہو گئی ہے۔“ نارنج کی روشنی کا رخ اٹھی کی طرف تھا۔ شانٹو اور کامی کے درمیان سے وہ دیوار لحوں میں غائب ہو گئی اور انھیں نائب کپتان کی آواز سنائی دی جو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہیں۔ صبح کپتان کے سامنے ان کی پیشی ہوگی۔

دوسرے دن کپتان سے ملاقات ہوئی تو وہ سخت برہم تھا، لیکن جوں جوں وہ شانٹو اور کامی کی روداد سنتا رہا، اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوتا رہا۔ آخر میں وہ مسکرایا اور بولا :

”اچھا تو اس نے نہ صرف تمہیں ان ظالم تیلیوں سے بچایا بلکہ ذرا سی دیر میں تمہارے زخم بھی ٹھیک کر دیے۔“

شانٹو اور کامی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر کپتان اور سائنس دانوں کا جو کام آسان کر دیا تھا اس پر سب نے ان کی تعریف کی اور آئندہ انھیں اہم ترزے داریاں سونپنے کا وعدہ کیا، لیکن پھر بھی وہ ضابطے کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے سزا سے نہ بچ سکے۔ سزا یہ تھی کہ وہ ایک ہفتے تک کیمپ سے باہر نہ جاسکیں گے اور اس دوران روزانہ کیمپ کی صفائی اور کھانے

پھول پھول خوشبو

قائد اعظم کی حاضردماغی

مرسلہ : شاورشید، سواد آباد، ملیر

ایک بار قائد اعظم محمد علی جناح ریل کا سفر کر رہے تھے۔ ڈبے میں اکیلے ہی بیٹھے تھے۔ پنال چہ انھوں نے اخبار لیا اور مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک جگہ گاڑی رکی اور اسٹیشن سے ایک عورت ان کے ڈبے میں سوار ہو گئی۔ گاڑی چل پڑی، کچھ دیر بعد عورت بولی : ”جو کچھ تمہارے پاس ہے نکال دو۔“

قائد اعظم خاموش رہے۔ وہ دوبارہ چینی، مگر آپ پھر بھی خاموش رہے۔ آخر اس عورت نے تنگ آکر ان کو جھجھکوا۔ آپ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور اشارے سے کہا کہ میں سن نہیں سکتا۔ جو کچھ کہنا ہے کانڈ پر لکھ دو۔ اس مکار عورت نے جھٹ لکھ دیا۔

آپ اٹھے اور زنجیر کھینچ لی۔ وہ عورت حیران رہ گئی کہ اس آدمی نے یہ کیا کیا۔ گاڑی رک گئی۔ گارڈ مع پولیس آگیا۔ انھوں نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ نے وہ تحریر پولیس کو دے دی۔ اور مکار عورت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

شعور

مرسلہ : شمس القمر عارف، فورلی

انسان میں قدرت نے بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں۔ مگر اس کی ساری کامرانیوں کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی اندرونی صلاحیتوں کو کس حد تک استعمال کرتا ہے۔ جو آدمی سہل پسندی سے کام لیتا ہے وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہتا ہے۔ ایک چینی کماوت ہے کہ دکان کھولنا آسان ہے، مگر اسے جاری رکھنا مشکل ترین کام ہے۔

جسے اپنی صلاحیتوں کا شعور نہیں وہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا بھی نہیں منوا سکتا۔ بعض لوگ زندگی کو سمجھے بغیر ہی گزار لیتے ہیں۔ وہ زندگی ہی کیا جس میں ارادہ، جتو اور شعور نہ ہو۔

۵ ملک کماوتیں

مرسلہ : حرا انصاری، نارنگی کراچی

۱۔ تجربہ وہ سنگھی ہے جو زندگی میں اس وقت ملتی ہے جب ہمارے بال جھڑکے ہوتے ہیں۔ (پلیٹنم کی کماوت)

۲۔ جہاں صداقت اور خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ ورنہ تمہاری تنہائی ہی تمہاری بہترین رفیق ہے۔ (ایرانی کماوت)

۳۔ نصیحت ایسی چیز ہے جس کی عقل

کے سارے برتنوں کی دھلائی ان دونوں کو کرنا پڑے گی۔ مزید یہ کہ سزا ختم ہو۔ ے کے بعد وہ اپنی پوری رپورٹ لکھ کر پیش کریں گے۔

دونوں نے کپتان کی ہدایت کی مطابق مشترکہ تحریری رپورٹ چند ہی روز میں پیش کر دی جس کے آخری جملے یہ تھے :

”اس ہیبت ناک مخلوق کا رویہ پورے وقت ہمارے ساتھ ہمدردانہ رہا۔ اس نے ہماری جان بچائی اور ہمارے زخموں کا علاج بھی کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے ہمیں اس وقت تک اپنی حفاظت میں رکھا جب تک ہمارے ساتھی ہمیں تلاش کرتے ہوئے وہاں نہ پہنچ گئے۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ اسے انسانوں سے ہمدردی ہے۔ ہمیں اس جانور اور ایسے ہی دوسرے جانوروں کی طرف (اگر وہ اس سیارے پر موجود ہیں) دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیے اور انسانوں سے ہمدردی اور محبت کے اس جذبے کی قدر کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ جذبہ اب خود انسان کے دل سے ختم ہو رہا ہے۔“

دعویٰ

مرسلہ : فہیم اکبر، ملتان

ایک آدمی مجمع کے درمیان کھڑا ہو کر یہ دعوا کر رہا تھا کہ وہ سامنے والی دکان سے کوئی بھی چیز آسانی سے چُرا سکتا ہے۔ لوگ اس کو پاگل سمجھ رہے تھے اور اس کی بات کا یقین نہیں کر رہے تھے۔ آخر مجمع میں سے ایک آدمی نے کہا :

”اگر تم کوئی چیز چُر کر لائے تو میں تمہیں سو روپے انعام دوں گا۔“

وہ شخص دکان کے اندر گیا اور گھی کا ڈبّا اٹھا لایا۔ اس کی صفائی پر شرط لگانے والا بولا : ”بے شک تم نے ڈبّا بڑی صفائی سے چُر لیا ہے، لیکن تم کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ میرا تعلق پولیس سے ہے۔“

یہ سُن کر ڈبّا لانے والا بولا : ”اور آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ میں جہاں سے ڈبّا چُر کر لایا ہوں وہ میری اپنی دکان ہے۔“

مندوں کو ضرورت نہیں اور بے وقوف اسے قبول نہیں کرتے۔ (عربی کہاوت)

۴۔ کپڑے کاٹنے سے پہلے اسے سات بار ناپو کیوں کہ اسے کاٹنے کا ایک ہی موقع ہوتا ہے۔ (روسی کہاوت)

۵۔ بغیر دیکھے کوئی چیز منہ میں نہ ڈالو اور بغیر پڑھے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرو۔ (اپنی کہاوت)

گھڑیاں یا پنڈولم

مرسلہ : توقیر احمد چغتائی، کراچی
ابن یونس نے وقت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے آلہ پنڈولم ایجاد کیا۔ ابن الساعی مشہور گھڑی ساز تھا اور گھڑی سازی میں یکتائے روزگار تھا۔ ”ملاک ثاور“ اس کی ایجاد ہے۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے شاہ فرانس شارل مین کو ایک گھڑی بطور تحفہ بھیجی جس کو دیکھ کر شارل مین اور اس کے درباری سب ہی دنگ رہ گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کس طرح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ گھڑی صنعت کا عجیب نمونہ تھی۔ ایک بجے اس کے اندر سے ایک سوار نکلتا، دو بجے دو سوار نکلتے۔ اسی طرح ہر گھنٹے کے بعد ایک سوار کا اضافہ ہوتا۔ اس عجوبہ روزگار چیز کو دیکھ کر شارل مین اور اس کے نیم وحشی درباری بے اختیار پکار اٹھے :

”یہ تو جادو ہے۔“

ایک مسکراہٹ

مرسلہ : ام کلثوم اعجاز احمد صدیقی
○ ایک مسکراہٹ پتھر دل کو موم کر دیتی ہے۔ ○ ایک مسکراہٹ سے حال دل معلوم ہو جاتا ہے۔ ○ ایک مسکراہٹ سے دل کا میل صاف ہو جاتا ہے۔ ○ ایک مسکراہٹ سے روٹھوں کو مٹایا جاسکتا ہے۔ ○ ایک مسکراہٹ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ ○ ایک مسکراہٹ ہی دوستی کا بہانہ ہوتی ہے۔
تو پھر مسکرایے کہ مسکرانا بھی عبادت ہے۔

حلو

مرسلہ : محمد کاشف خاں غوری، سامارو
ریل گاڑی میں ایک شخص بار بار سیٹ کے نیچے کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ آخر ایک مسافر نے تنگ آکر پوچھا : ”بھئی کیا تلاش کر رہے ہو؟ شاید رقم وغیرہ گم ہو گئی ہے۔ اس شخص نے سو کے نوٹوں کی کئی گڈیاں جیب سے نکال کر دکھائیں اور کہا :

”پیسے کی بات نہیں ہے، وہ بہت ہے۔“
دوسرے شخص نے کہا : ”تو کوئی سونے کی انگوٹھی وغیرہ ہوگی!“ اس نے غصے سے کہا :

”تم ایک سونے کی انگوٹھی کی بات کرتے ہو، ایسی کئی انگوٹھیاں ہم نے اپنے نوکروں کو انعام کے طور پر دی ہیں۔ دراصل میں تو وہ حلو تلاش کر رہا ہوں جو تم کھارہے تھے اور تھوڑا سا تم سے نیچے گر پڑا تھا۔“

خوشی

مرسلہ : صدف انصاری، نار تھہ کراچی
خوشی دولت سے نہیں خریدی جاسکتی۔ کبھی یہ مت سوچئے کہ دولت آپ پر مسرتوں کی بارش کر دے گی۔ جن لوگوں کے پاس دولت ہے وہ ان کی خوشیوں پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی۔ اصل اہمیت اس اطمینان کی ہے جو آپ کے دل میں ہے۔ لمحوں کا لطف اٹھائیے۔
”لوٹھی“ چھوٹی چھوٹی باتوں یا اتفاقات سے ملتی ہے جو روزمرہ زندگی میں جنم لیتے ہیں۔

خوش رہنے کے بڑے بڑے موقعوں کا انتظار نہ کیجئے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر خوش ہو جائیے اور دوسروں کو بھی خوش رکھیے۔ زندہ رہیے اور قدم قدم پر زندگی کا لطف اٹھائیے۔

شہد ایک نعمت

مرسلہ : نور محمد جمالی، اوستہ محمد
ہزاروں برس سے انسان شہد استعمال کرتا آ رہا ہے اور اس کی اہمیت آج بھی اتنی ہے۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ کئی بیماریوں کے لیے شفا کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل فائدے ہیں :

جسمانی اور دماغی تھکاوٹ میں یکساں طور پر مفید ہے۔ جسم کے جلے ہوئے حصوں پر شہد لگانے سے آرام ملتا ہے۔ ہاضمے کا نظام درست رہتا ہے۔ دل، گردے اور انتڑیوں کی بیماریوں کے لیے مفید ہے۔ گلے کی خراش، کھانسی اور نمونے کے لیے مفید اور کار آمد ہے۔ خون کی صفائی کرتا ہے اور چہرے کو شاداب رکھتا ہے۔ شہد آنکھ کے لیے بھی بہترین دوا ہے۔ آنکھ کے درد کو رفع کرتا ہے۔ غرض شہد اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

جسمانی معلومات

مرسلہ : فرحان علی، خانپور

☆ انسانی جسم میں گردوں کی تالیوں کی مجموعی لمبائی ۲۸۰ میل ہے۔ ☆ ایک جوان آدمی کی جلد کا مجموعی رقبہ ۲۰ مربع فٹ ہوتا ہے ☆ انسان کی چھینک کی رفتار ۱۰۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ ☆ صحت مند آدمی کے جگر کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہوتا ہے۔ ☆ ایک بالغ انسان کے جسم میں ۲۰۶ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ☆ انسان کا دایاں پھیپڑا بائیں پھیپڑے سے بڑا ہوتا ہے۔ ☆ بال رات کو

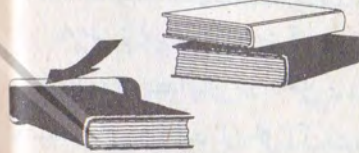
زیادہ تیزی سے بڑھتے ہیں۔ ☆ بھائی اوکسی جن کی کمی کی وجہ سے آتی ہے۔

غلطی بہر حال غلطی ہے

مرسلہ : عمران عزیز قائم خانی، جھڈو عباسی خلفا میں معتمد سے زیادہ بہادر اور طاقت ور کوئی خلیفہ نہیں گزرا۔ اس کی غیر معمولی طاقت کی مثال نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مٹی بند کر کے بازو سخت کر لیتا تھا اور ترک غلاموں سے کہتا کہ تم میں جو سب سے زیادہ طاقت ور ہو وہ میرا بازو دانتوں سے پکڑ لے، لیکن بازو کی سختی کی وجہ سے طاقت ور سے طاقت ور شخص کام یاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی بہادری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مامون کے ساتھ شکار کو گیا ہوا تھا۔ کچھار سے ایک شیر نکل کر سامنے آیا۔ معتمد نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شیر نے اس پر حملہ کیا۔ معتمد کا گھوڑا بدکا۔ شیر نے گھوڑے پر پنجہ مارا اور اس کی کمر توڑ دی۔ گھوڑے سے اتر کر معتمد شیر سے لپٹ گیا اور اسے گرا کر اس کا سر پکڑ لیا۔ پھر اسی حالت میں مامون کے پاس لے آیا۔ مامون کو اس کی طاقت پر بہت حیرت ہوئی۔ مگر اس نے نصیحت کی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، کیوں کہ غلطی کا نتیجہ درست نکل آئے تو بھی اسے غلطی ہی کہا جائے گا۔

وطن سے محبت

مرسلہ : سید عامر رضا ہاشمی، اللہ آباد پاکستان کے قیام سے پہلے جب پاک و ہند پر انگریزوں کی حکومت تھی، ایک انگریز نے اپنے ہندو نوکر کو رقم دی اور کہا کہ بازار سے اچھا سا خنجر لے آؤ۔ ہندو نوکر بازار گیا اور ایک ہندو سے اعلیٰ قسم کا چمک دار اور تیز دھار والا خنجر خرید کر انگریز کے پاس لے آیا۔ انگریز نے کہا : ”خنجر بہت ہی عمدہ بنا ہوا ہے۔ کس دکان سے خریدا ہے؟“ ہندو نوکر نے جواب دیا : ”بازار میں ایک ہندو کی دکان ہے۔ اس کے خنجر اور تلواریں پورے شہر میں مشہور ہیں۔ اس سے لایا ہوں۔“ انگریز نے جواب دیا : ”جاؤ اسے خنجر واپس کرو اور فلاں انگریز کی دکان سے خنجر لے کر آؤ۔ میں مانتا ہوں کہ یہ خنجر بہت اچھا بنا ہوا ہے، لیکن سب سے بڑی خامی اس میں یہ ہے کہ یہ میرے ملک کا بنا ہوا نہیں ہے۔“



ہمدرد نومال اسمبلی

سید علی بخاری



جناب محترم حکیم محمد سعید اور جناب محترم ڈاکٹر شریار احمد شیخ ہمدرد نومال اسمبلی میں

”ہمیں صحت چاہیے یہ ہمارا حق ہے۔ صحت ہماری ذاتی ضرورت بھی ہے اور پاکستان کی بھی“

یہ ایجنڈا ہمدرد نومال اسمبلی لاہور کا تھا جس کا اجلاس گزشتہ دنوں مقامی ہوٹل میں منعقد کیا گیا۔ صدر اسمبلی ڈائریکٹر پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی پرفیسر ڈاکٹر شریار شیخ تھے۔ اسپیکر اسمبلی نونمال فہد اظہر تھے اور کمپیننگ کے فرائض نونمال مدیحہ مریم نے سرانجام دیے۔ اجلاس حسب معمول مقررہ وقت پر شروع ہوا۔ ہال میں نونمالوں کے علاوہ ان کے والدین اور مختلف اسکولوں کے اساتذہ کرام کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اجلاس کا باقاعدہ آغاز نونمال



محترم حکیم محمد سعید اور محترم ڈاکٹر شریار احمد شیخ انعام یافتہ نونماوں کے ساتھ

حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ صحت فروخت نہیں ہوتی بلکہ اسے انسان اپنی محنت اور توجہ سے حاصل کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ زیادہ کھانے سے اچھی صحت نہیں رہتی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک ناشتا ایک کھانا کافی ہے۔ عشا کے بعد جلد سو جانا اور صبح جلدی اٹھنا سنت ہے اور اس سے صحت ٹھیک رہتی ہے۔

صدر اسمبلی ڈاکٹر شریار احمد شیخ نے کہا کہ ہم ویسے تو مغرب کی نقالی کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں، مگر دوپہر کے کھانے کے حوالے سے نہیں کرتے۔ وہاں دوپہر کے کھانے کا تصور ہی نہیں ہے۔ دوپہر کا کھانا اسلام اور سائنس کی رو سے غیر ضروری ہے۔

اس موقع پر نیو لنڈ ایجنڈا اسکول کے نونماوں نے کرائے کے شان دار مظاہرے پیش کیے جب کہ نونماں روتابہ عظیم نے کلام اقبال سنایا اور نونمالان سنٹرل ماڈل اسکول نے ملی ترانہ پیش کیا۔ اس بار مدرسہ البنات اسکول کی عروج وحید بہترین مقررہ قرار پائیں۔ آخر میں صدر اسمبلی ڈاکٹر شریار احمد شیخ اور حکیم محمد سعید نے پروگرام میں حصہ لینے والے تمام بچوں کو انعامات تقسیم کیے۔



کرائے کا مظاہرہ کرنے والے نونمالان لنڈ ایجنڈا اسکول کا ایک گروپ نوٹو

عبدالمنان کی تلاوت کلام مجید و فرقان حمید سے ہوا۔ نونماں اسد لودھی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گہمائے عقیدت پیش کیے۔ قومی صدر ہمدرد نونماں اسمبلی محترم



نونمالان سنٹرل ماڈل اسکول ملی ترانہ پیش کر رہے ہیں

شہ زوری

سید ظہران جلیس

کئی صدیوں پہلے کی بات ہے بغداد میں عبدل نامی ایک لوہار رہا کرتا تھا۔ اسے تلوار سازی میں بڑی اچھی مہارت حاصل تھی اور اسی فن کی وجہ سے وہ دور دور تک مشہور تھا۔ ارد گرد کی ریاستوں کے حکمران اس کے فن کے قدر دان تو تھے ہی، دور دراز علاقوں میں بھی اس کی بنائی ہوئی تلواروں کی خاصی مانگ تھی۔ بغداد کے خلیفہ نے بھی اس کے فن اور اس کی مہارت سے متاثر ہو کر اسے انعام سے نوازا تھا۔

ایک دن وہ اپنے شمشیر سازی کے مرکز میں شام کے وقت بیٹھا باہر سے آئے ہوئے سوداگروں کے ایک وفد کو اپنی بنائی ہوئی تلواریں دکھا رہا تھا کہ ایک شخص اپنے گھوڑے پر سوار وہاں پہنچا۔ دیکھنے میں وہ شخص کوئی سردار نظر آ رہا تھا۔ بارعب چہرہ بڑی روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، چوڑی کلایاں اور بازو کی ابھری ہوئی پھلیاں اس کے سردار ہونے کا ثبوت دیتی تھیں۔ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت اور ٹھوس نظر آ رہا تھا۔

اس شخص نے عبدل کی دکان کے سامنے پہنچ کر اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ گھوڑا جہاں تھا وہیں رک گیا۔ نووارد نے اپنی رعب دار آواز میں السلام علیکم کہہ کر ایک اچھی اور مضبوط تلوار دکھانے کے لیے کہا۔

عبدل نے بڑے نرم لہجے میں ادب سے کہا :

”حضور! میرے ہاں کی بنی ہوئی ہر تلوار مضبوط اور بہترین ہوتی ہے۔ آپ جو پسند فرمائیں لے لیں۔“

اس شخص نے شوروم میں جی ہوئی تلواروں کو غور سے دیکھا پھر بڑی حقارت سے بولا :

”مجھے بچوں کے کھیلنے والی تلواریں نہیں چاہئیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی خاص مضبوط قسم کی تلوار ہو تو دکھاؤ۔“

جن تلواروں کی دور دور تک شہرت اور دھوم تھی ان تلواروں کو بچوں کے کھیل کی تلوار



من کر عبدل دل ہی دل میں تملتا کر رہ گیا، مگر اس نے اپنے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ مسکرا کر بولا :

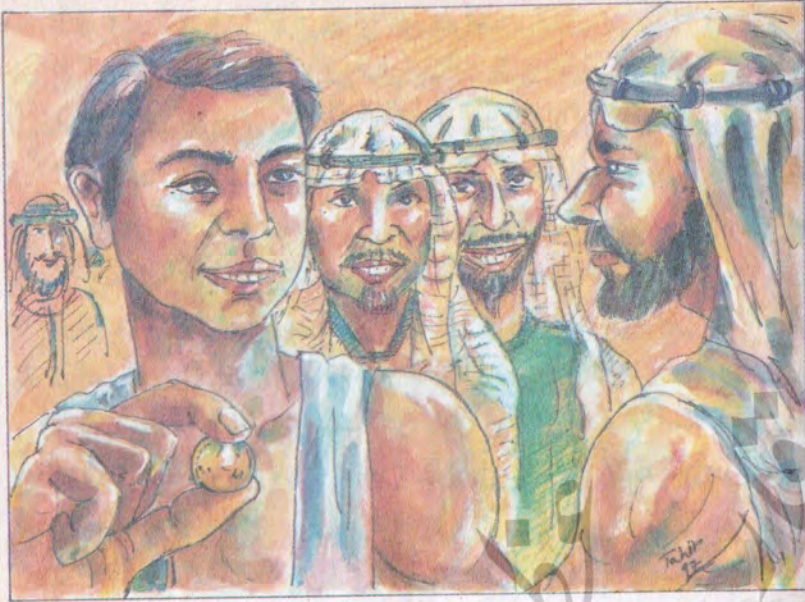
”لیجئے حضور! یہ شمشیر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ آپ جیسے بہادر جوان پر ہی بچے گی۔“

اس شخص نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور الٹ پلٹ کر اسے دیکھا اور کہا : ”دیکھنے میں تو خوب صورت ہے، مگر کیا مضبوط بھی اتنی ہی ہوگی؟“

”جی حضور! مضبوط بھی ہے۔“ عبدل نے جواب دیا۔

عبدل کا جواب سن کر اس شخص نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سرا پکڑا اور عجیب سے انداز میں اسے ایک جھٹکا دیا۔ ایک آواز کے ساتھ تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ نووارد نے دونوں ٹکڑوں کو دکان کے ساتھ بنی ہوئی ٹالی میں پھینک دیا۔ اب اس کے لبوں کی مسکراہٹ طنزیہ ہو گئی تھی۔ تلخ سے لہجے میں اس نے کہا :

”عبدل صاحب! میں نے تم سے بہت مضبوط تلوار کے لیے کہا تھا اور تم نے مجھے کچے لوہے کی تلوار پکڑا دی۔ اس طرح اپنے گاہکوں سے غلط بیانی کرتے ہو؟“



تو شجاع ہی اس پر ہتھوڑا چلا کر اسے تلوار کی شکل میں لاتا۔ ہتھوڑا چلانے کی وجہ سے شجاع کی کلائیوں بے حد مضبوط ہو گئی تھیں۔ اسے پہلوانی کا شوق بھی تھا۔ اس وقت وہ اپنے جیسے کئی نوجوانوں سے کشتی لڑ کر دکان پہنچا تھا۔

اپنے والد سے پوری بات سن کر وہ فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ اسے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی کہ تلواریں توڑنے کا معاملہ طاقت کا غلط اور ناجائز مظاہرہ ہے۔ اس نے دل ہی دل میں اس شخص کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے بڑی ہی نرمی اور میٹھے انداز میں نووارد سے کہا :

”حضور! ابا جی کی بنائی ہوئی تلواریں تو ان کے ہی جیسے عمر رسیدہ لوگ شوق سے خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ میں نے بطور خاص اپنے لیے ایک تلوار خود بنائی تھی اگر آپ اجازت دیں تو میں وہ تلوار آپ کو دکھاؤں۔“

”دکھاؤ بھئی! بالکل دکھاؤ! تاکہ لوگوں کو بھی تمہارے ہنر کا علم ہو سکے۔“ نووارد نے طنز کا بھرپور وار کرتے ہوئے جواب دیا۔

تلوار کے اس طرح ٹوٹ جانے سے خود عبدل بھی حیران رہ گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے لوہے میں کوئی خرابی ہو جس کی وجہ سے یہ تلوار ٹوٹ گئی۔ گزشتہ دنوں اس نے ایک تلوار شاہی افواج کے سپہ سالار کے لیے بطور خاص بنائی تھی، عبدل نے وہی تلوار اسے دیتے ہوئے کہا :

”آپ اسے پسند کریں تو یہ لے جائیے۔ میں اس کی جگہ دوسری تلوار بنالوں گا۔“ اس شخص نے پہلی تلوار کی طرح اسے بھی اپنے ہاتھ میں لیا اور ایک ایک سرا دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اسے بھی ویسے ہی جھٹکا دیا۔ تڑاخ کی سی آواز پیدا ہوئی اور تلوار دو ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک ٹکڑا تھا۔ اس شخص کی طنزیہ مسکراہٹ اب قمقمے میں تبدیل ہو گئی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا :

”واہ میاں عبدل! بڑا اچھا دھندا ہے تمہارا۔ مٹی کی تلواریں بنا کر جنگجو سپاہیوں کو فروخت کرتے ہو۔ ضرورت پڑنے پر یہ تلواریں میدان جنگ میں اپنے جوہر خوب دکھاتی ہوں گی!“

اس دوسری تلوار کے ٹوٹ جانے سے عبدل کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سپہ سالار کے لیے بنائی ہوئی خصوصی تلوار کا حشر بھی پہلی تلوار جیسا ہو گا، لیکن حقیقت اس کے سامنے تھی۔

اس نے نووارد شخص کو ایک کے بعد ایک کئی منتخب تلواریں دکھائیں، لیکن ہر تلوار کا حشر پہلی تلوار جیسا ہی ہوا۔ وہ شخص تلوار کے دونوں سروں کو ایک ایک ہاتھ میں لے کر عجیب سے انداز میں جھٹکا دیتا۔ زور دار تڑاخ کی آواز کے ساتھ تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتی تھی وہ ہاتھ بدھا کر نالی میں پھینک دیتا اور پھر عبدل کا بھرپور انداز میں مذاق اڑاتا۔

آہستہ آہستہ عبدل کی دکان کے سامنے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ وہ بھی عبدل کی حالت دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ عبدل محسوس کر رہا تھا کہ اس کی برسوں کی بنائی ساکھ اور نیک نامی مٹی میں ملتی جا رہی ہے۔ اتنے میں عبدل کا نوجوان بیٹا شجاع بھی وہاں پہنچ گیا۔

شجاع ایک ٹھوس اور کسرتی جسم کا مالک نوجوان تھا۔ تلوار سازی میں وہ اپنے والد کی مدد کرتا۔ لوہے سے لڑائی نے اس کے جسم کو بھی لوہا بنا دیا تھا۔ عبدل جب بھٹی میں لوہا گرم کرتا

”لیکن ایک شرط ہے۔“ شجاع نے اسی نرمی سے کہا۔

”وہ کیا؟“ نوار نے دل چسپی سے سوال کیا۔

شجاع نے شرط بتائی: ”وہ یہ کہ حضور کو تلوار کی قیمت پہلے ادا کرنی ہوگی۔“

”کتنی قیمت ہے؟“ کہتے ہوئے اس نے کمر سے بندھی ہوئی اپنی اشرفیوں کی تھیلی نکالتے

ہوئے پوچھا۔

”صرف ایک اشرفی۔“ شجاع نے جواب دیا۔

نوار نے تھیلی میں سے ایک اشرفی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ شجاع نے اشرفی کو

ہاتھ میں لے کر دیکھا پھر نوار سے مخاطب ہو کر کہا :

”جناب! یہ اشرفی تو بالکل نقلی ہے۔“ اس نے اشرفی کو انگلی پر رکھ کر انگوٹھے سے دبا دیا۔

انگوٹھے کا دباؤ پڑتے ہی اشرفی ٹوٹ گئی۔ شجاع نے اشرفی کے دونوں ٹکڑے جلتی ہوئی بھٹی کی

طرف اچھال دیے اور کہا :

”محترم خریدار! آپ کے پاس اصلی اشرفی ہو تو دیں۔ یہاں نقلی اشرفیوں سے سودا نہیں

بیچا جاتا۔“

شجاع کی بات سن کر نوار کا چہرہ غصے سے تمتلنے لگا۔

اس نے اپنی تھیلی میں سے دوسری اشرفی نکالی اور شجاع کی طرف اچھال دی۔ شجاع اس

کے لیے تیار ہی تھا۔ اس نے اشرفی لپکی اور پہلے ہی کی طرح انگلی پر رکھ کر انگوٹھے کا دباؤ ڈالا۔

وہ اشرفی بھی ٹوٹ گئی اور شجاع نے خشک سا منہ بناتے ہوئے کہا :

”جناب یہ بھی نقلی ہے۔“ اور اشرفی بھٹی میں ڈال دی۔

اس شخص نے ایک ایک کر کے دس اشرفیاں اسے دیں۔ شجاع نے ان کا بھی وہی حشر کیا

جو پہلی اشرفی کا کیا تھا۔ اب وہ شخص سمجھ گیا کہ شجاع بھی جسمانی طاقت کا مالک ہے اور اس

نے اسی کی زبان میں جواب دے کر اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے۔

اب اس نے وہاں سے خاموشی کے ساتھ چلے جانے ہی میں اپنی بھلائی محسوس کی۔ وہ اپنا

گھوڑا آگے بڑھانے ہی والا تھا کہ شجاع نے پھرتی سے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام خود تھام لی

اور ٹوٹی ہوئی تلواروں کا ہرجانہ طلب کیا۔ اس بات پر کافی بحث ہوئی۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ

اور راستہ خراب ہے۔ پرانے ٹرک کا کوئی بھروسا نہیں اس لیے اس کو نیا ٹرک دیا جائے، مگر

نئے ٹرک سب کام سے گئے ہوئے تھے۔ مالکوں نے اس ٹرک کی مرمت اور یہ یقین دہانی کروا

کر ڈرائیور کو چلتا کر دیا تھا کہ اب یہ خراب نہیں ہوگا، مگر مشین کا کیا بھروسا۔ دو جھٹکے کھانے

کے بعد ایکس ٹوٹ گیا۔

ڈرائیور کے جانے کے بعد گوگنوں نے تمام پیٹیاں ٹرک پر سے اتار کر کچے میں رکھ دیں

اور آس پاس جو بھی جھاڑ جھنکار ان کو مل سکتا تھا وہ ان پر رکھ دیا۔ جب وہ آخری پٹی چھپانے

کی کوشش کر رہے تھے تو اسی وقت پاگل دیہاتی وہاں پہنچا۔ دیہاتی نے اپنے ساتھی بیمار فقیر کو

پیچھے رہنے کی ہدایت کر دی تھی، اس لیے فقیر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا دیہاتی پر نظر رکھے

ہوئے تھے۔

گوگنوں نے دیہاتی کو دیکھا تو سٹ پٹائے مگر لمحہ بھر میں انھوں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا

اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

دیہاتی نے قریب پہنچ کر کہا : ”گائے رو رہی ہے۔“ گھڑا کہیں کھو گیا ہے۔ کیا تم نے

گائے کے بچے کو دیکھا ہے؟“

گوگنوں کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ کوئی بات کر کے دیہاتی کو ٹال نہیں سکتے تھے۔ اس لیے

ان میں سے ایک نے ہاتھ کا اشارہ کر کے دیہاتی کو آگے جانے کے لیے کہا، مگر جب وہ اپنی جگہ

سے ہلا بھی نہیں اور پھر بولا :

”کیا تم نے گائے کے پھڑے کو دیکھا ہے! وہ رو رہی ہے۔“

تب ایک گونگا آگے بڑھا اور اس نے دیہاتی کو دبوچ لینے کا ارادہ کیا۔ دیہاتی بجلی کی سی

پھرتی سے ایک طرف ہو گیا اور گونگا اپنی ہی جھونک میں منہ کے بل سڑک پر آگرا۔ پھر تو باقی

گوگٹے بھی اس کی طرف یوں بڑھے جیسے دیہاتی کی تنک بوٹی کر دیں گے، مگر دیہاتی تو جیسے جوڑو

کراٹے کا ماہر تھا۔ کسی گوگٹے کے لات پڑی اور کسی کے ہاتھ اور دیہاتی دور کھڑا ہوا پوچھ رہا

تھا :

”ہتا دو تم نے گائے کے بچے کو دیکھا ہے؟“

”میں... میں سلیم کی امی سے کیا کہوں؟ ان کو کیا جواب دوں؟ وہ تو بیٹے کے آنے کی آس میں دروازے پر نظر جمائے بیٹھی ہیں۔“

”علیم صاحب! ہمت سے کام لیجئے۔“ عقیلی صاحب نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

”میں کہاں سے لاؤں اتنی ہمت کہ ایک ماں سے کہوں کہ تمہارا بیٹا نہیں آیا۔“ علیم کا گلا رندھ گیا۔

مجیب صاحب نے بریف کیس علیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”یہ آپ کی امانت ہے اسے سنبھال لیجئے۔“

علیم صاحب نے بریف کیس کی طرف نظریں اٹھائے بغیر کہا: ”ان لوگوں کے پاس میری امانت تو سلیم ہے۔ ہو سکے تو وہ امانت لاد لیجئے۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔“

اور اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کتنا ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عقیلی صاحب نے اٹھنا چاہا، مگر علیم ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پہنچ گئے اور دوسری گھنٹی بجتے ہی انھوں نے ریسیور اٹھا کر بے تابی سے کہا:

”ہیلو!“

”دوسری طرف سے صرف سانس لینے کی آواز آئی۔“

”بولو بھائی! میں علیم بول رہا ہوں۔“

دوسری جانب سے پھر ایک سانس لینے کی آواز آئی۔

”ہیلو! تم بولتے کیوں نہیں۔“

دوسری سمت کسی نے ٹیلے فون رکھ دیا۔ علیم نے حسرت سے ریسیور کو دیکھا اور اپنے پاس کھڑے عقیلی صاحب سے کہا:

”یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ ان لوگوں کو دوسروں کی اذیت کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔“

”کون تھا؟“

”کیا خبر؟“ اتنا کہہ کر علیم نے ٹیلے فون رکھ دیا۔

(جاری ہے)

سلیم، پرویز اور نوری ابھی کھیتوں میں کھڑے یہ سوچ رہے تھے کہ وہ کس طرف سے آگے بڑھیں جو آسانی سے شہر کی طرف جاسکیں۔ اس خیال نے ان کے قدم روک لیے تھے کہ وہ بغیر سمجھے بوجھے چل پڑے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہر کی مخالف سمت میں آگے بڑھتے جائیں۔ وہ ابھی کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ انھیں کھیتوں میں ایسی سرسراہٹ سنائی دی جیسے کوئی اناج کی بالیاں روندتا ہوا جا رہا ہے۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں دبک کر بیٹھ گئے۔ یہ سرسراہٹ ذرا فاصلے پر سنائی دے رہی تھی۔ پھر قریب آئی اور پھر دور ہوتی چلی گئی۔ جب مدھم ہوتے ہوتے وہ سرسراہٹ بالکل ختم ہو گئی تو وہ تینوں اس طرف آگے بڑھنے لگے جدھر سے کوئی آیا تھا اور فصل کو کھلتا ہوا چلا گیا تھا۔

نوری کا خیال تھا کہ آنے والا شہر کی طرف سے آیا تھا، اس لیے انھیں ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے جدھر وہ گیا ہے۔

سلیم اور پرویز نوری کی راہ نمائی میں کھیتوں میں چلے گئے۔ حال آنکہ ان کے پیٹ میں بھوک ایسے بول رہی تھی جیسے کھیتوں میں جھینگڑ، مگر وہ بھوک اور اندھیرے کی پروا کیے بغیر نوری کا ہاتھ تھامے چلتے رہے۔

علیم صاحب نے مجیب صاحب کے آتے ہی پوچھا: ”میرا سلیم کہاں ہے؟“

”علیم صاحب! میں نے تو آپ کے کہنے کے مطابق ان کا انتظار کیا۔ بلکہ ایک دن زیادہ ٹھیرا۔ مگر وہ لوگ آئے ہی نہیں۔“ مجیب صاحب نے کہا۔

”لیکن انھوں نے تو کہا تھا کہ....“

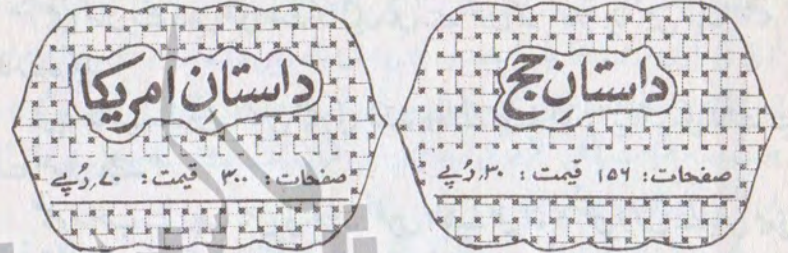
آپ خود ہی دیکھ لیجئے۔ اب بھی اگر آپ کہیں گے تو میں پھر چلا جاؤں گا، مگر سوال یہ ہے کہ آخر کب تک ان کا انتظار کیا جائے۔“

”میں... میں کیا کروں... میرا سلیم...“ مایوسی کا غلبہ تھا کہ علیم کی آواز ان کے حلق میں اٹک گئی۔

”میرا خیال ہے وہ پھر ٹیلے فون کریں گے۔“ عقیلی صاحب نے کہا۔

”شاید وہ ٹیلے فون کر کے سلیم کو نہ بھیجنے کی وجہ بتائیں۔“ مجیب صاحب بولے۔

نوجوانوں کے لیے چار داستانیں حکیم محمد سعید کے قلم سے



نئے انداز کے ان سفر ناموں میں جو داستانیں بھی ہیں حکیم محمد سعید ان ملکوں کا حال بتاتے ہیں، پھر پاکستان کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس کے بعد نوجوانانِ وطن کو دعوت دیتے ہیں کہ پاکستان میں اچھے حالات پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے فکر و ذہن کو تیار کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کی تعمیر میں نوجوانوں نے مثبت کردار ادا کیا ہے اور حکیم محمد سعید یہ یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کا نوجوان جو ہمدردِ نونہال سے ہمدردِ نوجوان ہوا ہے پاکستان کی تعمیر کرے گا، اس کی آزادی کی حفاظت کرے گا۔



ناظم آباد سڑک
کراچی ۷۴۶۰۰

نونہال ادب
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

ماہ جنوری کے اہم واقعات

واجد رضا اصفہانی

- ۲ جنوری ۱۸۳۹ء - پیرس کے لوئی ڈیگورے نے چاند کی پہلی تصویر کھینچی۔
- ۲ جنوری ۱۹۷۴ء - سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کراچی میں میجر ضیاء الدین عباسی شہید ہسپتال کا افتتاح کیا۔
- ۳ جنوری ۱۸۳۶ء - ”اودھ اخبار“ کے بانی منشی نول کشور پیدا ہوئے۔
- ۴ جنوری ۱۹۳۱ء - مولانا محمد علی جوہر لندن میں انتقال کر گئے۔ انھیں بیت المقدس میں سپرد خاک کیا گیا۔
- ۴ جنوری ۱۹۹۰ء - پاکستان میں زکریا ایکسپریس کو حادثہ پیش آیا جس میں ۴۰۰ افراد ہلاک اور ۱۵۰۰ سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔
- ۵ جنوری ۱۵۹۲ء - پانچویں مغل بادشاہ شاہ جہاں پیدا ہوئے۔
- ۵ جنوری ۱۹۷۱ء - کرکٹ کی تاریخ کے پہلے ایک روزہ میچ میں آسٹریلیا نے انگلینڈ کو ۵ وکٹوں سے شکست دی۔
- ۷ جنوری ۱۷۸۹ء - امریکا کی تاریخ کے پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے جن میں جارج واشنگٹن پہلے صدر اور جان ایڈمز نائب صدر منتخب ہوئے۔
- ۸ جنوری ۱۸۳۶ء - عظیم سیاح مارکو پولو کی وفات ہوئی۔
- ۸ جنوری ۱۹۳۱ء - اسکاؤٹ تحریک کے بانی لارڈ بیڈن پاول انتقال کر گئے۔
- ۹ جنوری ۱۹۲۰ء - ہمدرد کے بانی حکیم محمد سعید پیدا ہوئے۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء - لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آیا۔
- ۱۲ جنوری ۱۶۳۰ء - برطانیق ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔
- ۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء - (پی آئی ڈی سی) پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء - ممتاز مزاح نگار ابن انشا (شیر محمد خان) لندن میں انتقال کر گئے۔

۱۳ جنوری ۱۹۰۰ء - پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ابوالاثر حفیظ جالندھری پنجاب کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ”ساہنامہ اسلام“ ہے جو چار جلدوں میں شائع ہوا جس پر انھیں ”فردوسی اسلام“ کا خطاب دیا گیا۔

۱۵ جنوری ۱۷۵۹ء - لندن میں واقع برٹش میوزیم، برطانیہ کا قومی عجائب گھر عوام کے لیے پہلی بار کھولا گیا۔

۱۵ جنوری ۱۸۸۰ء - دنیا کی پہلی ٹیلی فون ڈائریکٹری شائع ہوئی۔

۱۶ جنوری ۱۹۱۵ء - ”آل انڈیا مسلم لیگ“ کے قیام کی تجویز پیش کرنے والے برصغیر کے ممتاز مسلمان رہنما نواب سلیم اللہ خان انتقال کر گئے۔

۱۷ جنوری ۱۸۸۷ء - سندھ میں پہلا کالج ”سندھ آرٹس کالج“ قائم ہوا جس کا افتتاح بمبئی کے گورنر نے کیا۔ اس کے پہلے پرنسپل ایم آر والے تھے۔ آگے چل کر یہ دیرام جیٹھ مل (ڈی جے) کالج کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء - اردو زبان کے معروف افسانہ نگار سعادت حسن منٹو لاہور میں انتقال کر گئے۔

۱۹ جنوری ۱۹۹۳ء - نیلے ویشن کے مشہور اداکار ٹیلی سوالات (کوجیک) انتقال کر گئے۔

۲۰ جنوری ۱۹۸۸ء - سرحدی گاندھی ”خان عبدالغفار خان“ باچا خان پشاور میں انتقال کر گئے۔

۲۱ جنوری ۱۹۶۷ء - صدر ایوب خان نے رسالہ پور کالج کو پاکستان ایئر فورس اکیڈمی کا درجہ دینے کا اعلان کیا۔

۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء - برصغیر کے مشہور ادیب اور شاعر محمد حسین آزاد کا انتقال ہوا۔ وہ لاہور میں دفن ہیں۔

۲۳ جنوری ۱۹۶۵ء - سابق برطانوی وزیراعظم وئسنن چرچل انتقال کر گئے۔

۲۵ جنوری ۱۹۹۲ء - جنگ گروپ آف نیوز پیپر کے بانی اور ایڈیٹر میر خلیل الرحمن انتقال کر گئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۶۱ء - صدر ایوب نے وار سک ڈیم کا افتتاح کیا۔

۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء - لندن میں پاکستان نیشنل موومنٹ کے چودھری رحمت علی نے اس تنظیم کے زیر اہتمام مانٹیکو کیمبرج سے ایک کتابچہ ”ناؤ اور نیور“ جاری کیا جس میں چودھری رحمت علی نے لفظ پاکستان تجویز کیا۔ اس کتابچہ میں ہندستان میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔

۲۸ جنوری ۱۹۸۶ء - امریکی خلائی شٹل چیلنجر فضا میں دھماکے سے پھٹ گئی سات خلا باز ہلاک ہو گئے۔

۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء - تیسواں امریکی صدر فرینکلن روز ویلٹ نیویارک میں پیدا ہوا۔ وہ واحد امریکی صدر تھا جو چار مرتبہ امریکہ کا صدر بنا۔

۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء - ہٹلر کو جرمنی کا چانسلر بنایا گیا۔

مہمان

ایک بار معن زائدہ کی خدمت میں حضرموت سے تین ہزار قیدی لائے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ ان قیدیوں میں ایک بچہ بھی تھا۔ حکم سن کر اس بچے نے کہا :

”یا امیر! آپ کو قسم ہے کہ ہمیں پیاسانہ ماریں۔ ہمیں قتل ضرور کرائیے، مگر پانی پلا کر۔“
معن زائدہ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو پانی پلایا جائے۔ جب سب قیدی پانی پی چکے تو اسی بچے نے امیر سے کہا :

”یا امیر! اب ہم سب آپ کے مہمان ہو چکے ہیں اور سادات مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگیں گے۔“
معن زائدہ کو اس بچے کی ذہانت پر بہت حیرت ہوئی اور اس نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

مرسلہ : محمد بخش سومرو، اوستہ محمد

بیت بازی

اس عمر مختصر پہ نہ جاؤ دوستو!
صدیاں گزر گئیں ہمیں دکھ جھیلے ہوئے
شاعر: شاہد مشقی پند: قلند رشید بورے والا

کس کو فرصت تھی کہ سنتا اس سفر کا ماجرا
جب اسی منزل نصیب کے ہونٹ نے جنبش نہ کی
شاعر: حسن ضیم پند: عبدالمصیب خاں کراچی
بے عمل دنیا کتابوں سے نہ بیلے گی کبھی
تم جہاں سے جا رہے ہو پھر وہیں آجاؤ گے
شاعر: نازش انصاری پند: علی احمد لاہور

مٹا ہے ٹوٹ کر تو پھوٹتا ہے شان سے
وہ خوش مزاج شخص بہت دل جلا بھی ہے
شاعر: سلطان اختر پند: حسن ارشد فیصل آباد
بار ڈھونڈنے جاتا میں کس گشتاں میں
کہ پارہ پارہ تھا دل کا گلاب کیا کرتا
شاعر: منظر سلطان پوری پند: غلام قریشی ننکانہ صاحب
ایک بھی دیوار سلوہ رہ نہ پائی شہر میں
ہر گزرتا ہاتھ رک کر کچھ نہ کچھ لگتا گیا
شاعر: اجال مجید پند: اشعر صدیقی شاہی کراچی

گردش فلک سے اب کس کو خوف ہے لیکن
آدی ہی دنیا میں آدمی سے ڈرتے ہیں
شاعر: مسعود حیات پند: سدید شوکت اہلف آباد
ہم کو نفرت ہے اندھیروں سے مگر کیا کیجئے
کہ اجالوں سے بھی رکھتے نہیں رشتہ ہم لوگ
شاعر: اختر طیم پند: شمشاد شاہی کراچی

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
شاعر: فیض احمد فیض پند: حنا گوہر ایوب کچھو
جب نہ رکھتا ہو کوئی اپنے پڑوسی کا خیال
فائدہ کیا ہے یہ دیوار ملا رکھنے سے
شاعر: احمد نوید پند: حفصہ فیروز گلشن اقبال

راکھ کے ڈھیر پر اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں میرے خیمے میرے خوابوں کی طرح
شاعر: پروین شاکر پند: ثاقب شیراز پکوال
دعوا بڑا ہے علم ریاضی میں آپ کو
طول شب فراق ذرا ناپ دیجئے
شاعر: اکبر الہ آبادی پند: رحمت اللہ بنی ٹانک
اپنا اپنا طرف ہے پیارے اپنی اپنی فطرت ہے
ہم کو وہ ہیں جان سے پیارے جن کو ہم سے نفرت ہے
شاعر: سعید وارثی پند: احمد ثار ایڈو اوست محمد

دوستوں کے ہجوم میں ناصر
میرے اندر کا شخص تھا ہے
شاعر: ناصر کاظمی پند: خیرن نغز قریشی پٹاورد
کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا طرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے
شاعر: برج نازن پبکست پند: نازیہ محمود کراچی

انعامی سلسلہ ۲۵

معلومات افزا

- (۱) بتائیے میثاق مدینہ میں کل کتنی دفعات شامل تھیں؟
- (۲) بتائیے مشہور شہر حیدر آباد دکن کس حکمران نے آباد کیا تھا؟
- (۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی پر اردو کی سب سے معیاری کتاب ”میرۃ النبی“ کس کی تالیف ہے؟
- (۴) پاکستان کے سب سے بڑے سول اعزاز اور سب سے بڑے فوجی اعزاز کے نام کیا ہیں؟
- (۵) بتائیے وائلیس ٹیلے گراف یعنی برقی تار کس سائنس دان نے دریافت کیا؟
- (۶) بتائیے مشہور فلسفی گونے کا تعلق کس ملک سے تھا؟
- (۷) بتائیے دنیا کا وہ پہلا شخص کون تھا جو قطب شمالی اور قطب جنوبی دونوں قطبین تک پہنچا؟
- (۸) بتائیے جدید اولمپک کا آغاز کب اور کس مقام سے ہوا؟
- (۹) بتائیے پاکستان کی کس شخصیت کو طب میں اعلا خدمات کی بنا پر روس کا ابن سینا ایوارڈ ملا؟
- (۱۰) بتائیے ہیرا کس عنصر کی سروپی شکل ہے؟

بالکل صحیح جوابات بھیجئے والے نو نمالوں میں سے دس نو نمالوں کو پچاس پچاس روپے (کم و بیش) کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ یہ دس نام محترم حکیم محمد سعید قرعے سے نکالیں گے۔ باقی نو نمالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ آپ کے جوابات ۲۰ جنوری ۹۸ء تک مل جانے چاہئیں۔ جوابات کے ساتھ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۵

نام :
پتا :

اس کوپن پر صاف صاف نام پتا لکھئے اور اپنے جوابات کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نو نمال ہمدرد ڈاک خانہ کراچی کے پتے پر جلد بھیجئے۔ لفافے کے کونے پر معلومات افزا ضرور لکھئے۔

ہمدرد نو نمال جنوری ۹۸ء

ہمدرد نو نمال جنوری ۹۸ء

ایک مرتبہ یونان کے مشہور فلسفی اور عالم ارسطو سے کسی نے پوچھا : ایک پڑھے لکھے اور ایک ان پڑھ انسان میں کیا فرق ہے؟“ ارسطو نے جواب دیا : وہی جو ایک زندہ آدمی اور ایک مردہ آدمی میں فرق ہے۔“

پڑھنا لکھنا انسان کتابوں سے سیکھتا ہے اور کتابوں کے بارے میں ان لوگوں نے کیا کہا ہے جن کا نام تاریخ میں عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔ لو میں یہ تخصیص بتاتا ہوں۔ غور سے پڑھنے، سمجھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تھامس جیفرسن امریکا کے صدر تھے۔ ان سے کسی آدمی نے پوچھا کہ کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انھوں نے جواب دیا : ”کتابوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔“

اب میکالے کی بات سنو پہلے یہ جان لو کہ وہ کون تھا۔ وہ ایک مورخ، شاعر اور مدیر تھا۔ وہ کہتا ہے : ”ایک ایسا بادشاہ ہونے کی بجائے جو کتابوں سے محبت نہ کرتا ہو، میں ایک غریب ہونا اور ایسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں جو کتابوں سے بھری ہو۔“

آئرلینڈ کے مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے کہا ہے : ”میں جب کوئی عمدہ سی کتاب پہلی بار پڑھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے کوئی نیا دوست بنایا ہے۔ جب میں وہی کتاب دوبارہ پڑھتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنے پرانے دوست سے پھر ملاقات ہو رہی ہے۔“ مشہور برطانوی دانشور فرانسس بیکن کا کہنا ہے کہ مطالعہ علمی ترقی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ مطالعہ کے بغیر کسی فن، کسی کام میں مہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کہانیاں اور نظمیں پڑھ کر ہم مسرت حاصل کرتے ہیں۔ سفر نامے ہمیں دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والے لوگوں سے واقف کراتے ہیں۔ دنیا کے عظیم ادب کو پڑھ کر ہم نئے نئے الفاظ سے روشناس ہوتے ہیں۔ کتابوں کا مطالعہ ہمیں بہت سی فکر اور پریشانیوں سے نجات دیتا ہے۔

نوناو! یہ عقل و دانش کی باتیں ہیں۔ یہ کتابوں کی باتیں ہیں۔

رفیع الزماں زبیری

نوناہال خبرنامہ



جو نوناہال ان صفات کے لیے خبریں بھیجیں، وہ جس رسالے یا اخبار سے خبر لیں اس کا تراشہ یا اس کی فوٹو کاپی ساتھ لگائیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو رسالے یا اخبار کا نام اور تاریخ تو ضرور لکھیں۔ شکریہ!

دنیا کا سب سے وزنی پھل

کوئی مانے یا نہ مانے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں ایک ایسا پھل بھی پایا جاتا ہے جس کا وزن ایک من کے قریب ہوتا ہے، دنیا کے سب سے وزنی اس پھل کو کھٹل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے درخت سیالکوٹ کے قریب واقع ظفر وال کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بھاری بھر کم پھل سیکڑوں کی تعداد میں ایک درخت پر لگتے ہیں۔ جولائی کے مہینے میں یہ پھل پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔

اس خوش ذائقہ پھل میں دودھ اور کیلے جیسی لذت پائی جاتی ہے۔ کھٹل کے درخت کے نیچے بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں، کیوں کہ یہ بھاری بھر کم پھل نیچے گرتے رہتے ہیں۔ جب پھل نیچے گرتا ہے تو پھٹ جاتا ہے اور اس کی اندر کی ڈلیاں زمین پر بکھر جاتی ہیں۔ یہ پھل بگلہ دیش میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔

(نامہ نگار: تمکین رباب، ملتان)

قرآنی گاؤں

مصر کے دارالحکومت قاہرہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گاؤں ”نبی“ کے تمام

باسی قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گاؤں کا نام تبدیل کر کے ”قرآنی گاؤں“ رکھ لیا ہے اور عہد کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی حفظ قرآن کے لیے حوصلہ افزائی کریں گے۔ گاؤں میں حفظ قرآن کا پہلا مرکز ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا تھا، جس کے نتیجے میں اس گاؤں کے تمام رہنے والوں کے علاوہ قریب کے دیہات کے اکثر لوگوں نے بھی قرآن حفظ کر لیا ہے۔ (نامہ نگار: تحسین الحق، راولپنڈی)

نو ہزار سال پرانا ڈھانچہ اور اسکول ٹیچر

برطانیہ میں سائنس دانوں نے ایک ۹ ہزار سالہ پرانے انسانی ڈھانچے اور تاریخ کے ایک استاد کے درمیان رشتہ داری کا انکشاف کیا ہے۔ سی این این کے مطابق جنوب مغربی برطانیہ کے ایک گاؤں چیدر سے ملنے والے انسانی ڈھانچے اور اسکول ٹیچر کے طبی ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان ربط ہے اور اسکول ٹیچر کا اس انسانی ڈھانچے سے آباؤ اجداد کا تعلق ہے۔ (نامہ نگار: حماد حنیف، سرگودھا روڈ)

حیرت انگیز پچی

عراق کے دارالحکومت بغداد میں سات سال کی ایک پچی انتہائی حیرت انگیز صلاحیت کی مالک ہے۔ وہ لڑکی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور آنکھیں بند کر کے ان کا رنگ بھی بتا سکتی ہے۔ (نامہ نگار: محمد فرخ جامی، کراچی)

ریڈار ٹارچ

امریکی ریاست جارجیا کے شہر اٹلانٹا میں امریکی سائنس داں ایک ریڈار ٹارچ بنانے میں مصروف ہیں جو پولیس افسروں کو فراہم کی جائے گی۔ اس ریڈار ٹارچ کی مدد سے نہ صرف اندھیرے میں دیکھا جاسکے گا بلکہ اس میں لگے ریڈار کی مدد سے دیواروں کے پیچھے بھی دیکھا جاسکے گا۔ اس طرح دیواروں کے پیچھے اور عمارتوں کے کمروں میں چھپے ہوئے مجرموں کا سراغ لگانے میں اس ٹارچ سے مدد ملے گی۔

(نامہ نگار: محمد ناصر شاہین، میلسی)



✚ باپ اور بیٹا ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ بیٹا اٹھ کر غسل خانے میں گیا، لیکن جب باہر نکلا تو اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ باپ نے بہت زور لگایا، مگر کمر سیدھی نہیں ہوئی۔ ایک مسافر نے کہا: ”آپ کہیں تو میں اس کو سیدھا کر دوں۔“

باپ راضی ہو گیا۔ وہ شخص لڑکے کو ایک کونے میں لے گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آئے تو لڑکا بالکل ٹھیک تھا۔ باپ نے پوچھا: ”بھائی! یہ تو بتا دیجئے آپ نے اسے سیدھا کیسے کیا؟“

اس شخص نے جواب دیا: ”بٹن کھول کر۔“

باپ نے حیرت سے پوچھا: ”کیا مطلب؟“ اس شخص نے بتایا: ”برخوردار نے کوٹ کا بٹن پتلون میں لگا لیا تھا۔“

✚ مرسلہ: اسما سحر خان زاہد، چٹوکی ایک ماہر فلکیات رات کے وقت اپنی رصد گاہ میں دوربین کی مدد سے تاروں کو دیکھ

رہا تھا۔ اس دوران رصد گاہ کے نئے چوکیدار نے آسمان پر ایک تارہ ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو سائنس دان کی طرف دیکھ کر بولا:

”جناب! کیا خوب نشانہ ہے۔“

✚ مرسلہ: شمیمہ قریشی، کراچی

✚ گلی میں شفقت صاحب کی ملاقات ہارون صاحب سے ہوئی تو شفقت صاحب بولے:

”دیکھئے! میں کئی بار آپ سے شکایت کر چکا ہوں کہ آپ کا بیٹا میری نقل اتارتا ہے۔ جس طرح میں کرتا ہوں اسی طرح وہ کرتا ہے۔ اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔“

”اب نہیں کرے گا شفقت صاحب!“ ہارون صاحب نرمی سے بولے: ”میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کیا کرو۔“

✚ مرسلہ: حافظ محمد سلمان شوکت، حیدر آباد

✚ آئرلینڈ کے مشہور سیاست دان ڈی ویرا اپنی سیاسی تقریروں کی وجہ سے اکثر جیل جاتے رہتے، مگر واپس آکر وہ پھر تقریروں میں لگ جاتے۔ ایک بار ڈی ویرا ایک ہال میں تقریر کر رہے تھے کہ اچانک پولیس والے آگئے اور ان کو گرفتار کر لیا۔ ایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔

وہ ایک سال قید گزار کر آئے اور اسی ہال میں جا پہنچے جہاں ایک سال پہلے تقریر کر رہے تھے

کہنے لگے:

”معزز حضرات! جیسا کہ میں اس دن کہہ رہا تھا۔۔۔“

✚ مرسلہ: فہد اکرام، پشاور

✚ پہلا دوست دوسرے سے: ”میں نے ایک مشروب تیار کیا ہے تم آزمانا پسند کرو گے؟“

دوسرا دوست: ”کیسا ہے یہ مشروب؟“

پہلا دوست: ”اسے پیتے ہی آدمی بالکل سچی بات کہتا ہے۔“

دوسرا دوست بولا: ”خوب میں چکھ کر دیکھتا ہوں۔“

”ادب.. یہ تو تیل ہے۔“ پہلا بولا: ”تم نے سچ کہا، واقعی یہ تیل ہے۔“

✚ مرسلہ: تحریم نادیہ، کراچی

✚ استانی نے بچوں سے کہا کہ وہ گاڑی پر سو لفظوں کا مضمون لکھ کر لائیں۔

ایک بچے نے لکھا: ”میرے ابو نے نئی کار خریدی ہے جو چلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔“

استانی نے کہا کہ یہ تو صرف دس الفاظ کا مضمون ہے۔

بچہ معصومیت سے بولا: ”باقی نوے الفاظ ابو نے گاڑی کی شان میں کہے جو میں نہیں لکھ

سکتا۔“

✚ مرسلہ: محمد اسد اللہ رہاب، نواب شاہ

✚ دو دوست آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک نے کہا: ”میرے ابو سڑک پار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔“

”وہ کیسے؟“ دوسرے نے پوچھا۔

”وہ سڑک پار کرتے ہوئے میرا ہاتھ جو پکڑ لیتے ہیں۔“

✚ مرسلہ: حراسلم، شالی کراچی

✚ چار روز کی مسلسل بے ہوشی کے بعد مریض کی آنکھ کھلی تو اپنی چیمٹی بیوی کو سرہانے بیٹھے دیکھ کر کہا:

”اللہ کے لیے گھر جا کر آرام کرو، میرے ساتھ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“

بیوی نے جواب دیا: ”مجھے پتا تھا کہ آپ یہی کہیں گے، اسی لیے میں چار روز کے لیے اپنے میکے چلی گئی تھی۔“

✚ مرسلہ: نمرہ شفقت، کراچی

✚ ایک چیونٹی کہیں بھاگی بھاگی جاری تھی۔ راستے میں ایک چوہا ملا۔ اس نے پوچھا کہ بی

چیونٹی! کہاں جا رہی ہو؟

چیونٹی نے جواب دیا: ”بھائی چوہے!

شکاری ہندوق لیے میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔“ مرسلہ: عظمیٰ رشید سید، کوئٹہ

✱ مجسٹریٹ : ”تم نے اس آدمی کی جیب سے بڑا کس طرح نکال لیا؟“
جیب کترا : ”جناب! اس علم کو سیکھنے کے لیے فیس ادا کرنی ہوگی۔“

مرسلہ : عبد السلام مگسی، ذریعہ اللہ یار جعفر آباد

✱ ایک دفعہ مولانا آزاد سے جواہر لال نہرو نے کہا : ”جب میں لٹاکھڑا ہوتا ہوں تو میرے بدن کا سارا خون میرے سر میں آجاتا ہے، لیکن میں سیدھا کھڑا ہوتا ہوں تو خون پاؤں میں جمع کیوں نہیں ہوتا؟“

مولانا آزاد نے جواب دیا : ”جو چیز خالی ہوتی ہے خون وہیں جمع ہوتا ہے۔“

مرسلہ : محمد شاہد حفیظ الہ آبادی، میلی ✱ دوپہر کے وقت دو پاگل ایک مسجد کے پاس سے گزرے۔ ایک نے کہا :

”آج تک ہم نے نیکی کا کام نہیں کیا، چلو آج مسجد کو سائے میں کر دیتے ہیں۔“

دونوں نے جوتے اتار کر نیچے رکھے اور مسجد کو دھکا لگانے لگے۔ دھکا لگاتے لگاتے شام

ہو گئی اور مسجد پر سایہ ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ چلو مسجد چھاؤں میں آگئی ہے اب چلیں۔

جب انھوں نے مڑ کر دیکھا تو ان کے جوتے کوئی اٹھا کر لے گیا تھا۔ ایک نے کہا کہ

جوتے کہاں گئے۔ دوسرا بولا :

”ارے بے وقوف! جہاں سے ہم نے مسجد کو دھکا لگانا شروع کیا تھا وہیں پڑے ہوں گے۔“

مرسلہ : عبد المعید، حب چوکی آزاد انور علی، گوانگ، ٹنڈو الہ یار

✱ خلیل : ”سناؤ! تمہارے والد صاحب کا کیا حال ہے؟“

خلیل : ”وہ توجنت میں ہیں۔“
خلیل : ”بڑا افسوس ہوا۔“

پھر اسے خیال آیا کہ غلط کہہ گیا ہے۔ دوبارہ کہنے لگا : ”میرا مطلب ہے بڑی خوشی ہوئی۔“

اس بار بھی اسے ایسا لگا کہ اس نے غلط کہا ہے۔ فوراً بول پڑا : ”بڑی حیرت ہوئی۔“

مرسلہ : ثنا تحریم، ایبٹ آباد ✱ بیٹا (باپ سے) ابو! جب ای گاتی ہیں تو اپنی آنکھیں بند کیوں کر لیتی ہیں؟

باپ : ”بیٹا! تمہاری امی بہت رحم دل ہیں۔“

بیٹا : ”وہ کیسے؟“

باپ : ”ان کی آواز سننے سے دوسروں کو جو صدمہ ہوتا ہے وہ دیکھ نہیں سکتیں۔“

مرسلہ : عاصم شعیب

فریب کا خط

طالب الہاشمی

خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور عالم گزرے ہیں۔ وہ بے حد ذہین اور دانا آدمی تھے اور خلیفہ ان کی بہت قدر کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے امام شعبی کو قیصر روم (روم کا عیسائی بادشاہ) کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔

جب وہ قیصر کے دربار میں پہنچے تو اس نے ان سے طرح طرح کے سوالات کیے۔ انھوں نے ہر سوال کا ایسا تسلی بخش جواب دیا کہ قیصر حیران رہ گیا۔ اس زمانے میں قاعدہ تھا کہ سفیروں کو دوسرے ملک میں زیادہ دن نہیں ٹھہرایا جاتا تھا، لیکن قیصر نے امام شعبی کو بہت عرصہ اپنے پاس مہمان رکھا اور واپس نہ آنے دیا۔ آخر جب انھوں نے اس سے رخصت کی اجازت چاہی تو اس نے پوچھا :

”کیا تم شاہی خاندان سے ہو؟“
امام شعبی نے جواب دیا : ”نہیں بلکہ میں ایک عام عرب ہوں اور شاہی خاندان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

یہ سن کر قیصر نے انھیں خلیفہ کے نام کچھ خط دیے۔ اس کے بعد ایک ہند لفاظہ دیا اور کہا کہ جب تم دوسرے تمام خط خلیفہ کے سامنے پیش کر چکو تو بعد میں یہ خط بھی پیش کر دینا۔ پھر

اس نے امام شعبی کو رخصت کر دیا اور چلتے وقت بہت سا ربیہ انعام میں دیا۔

جب امام شعبی واپس خلیفہ عبد الملک کے پاس گئے تو ایک ایک کر کے سارے خط اس کی خدمت میں پیش کیے اور زبانی بھی وہاں کے حالات بیان کیے۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور ان کو ایک رقم انعام میں دی۔ جب وہ دربار سے نکلے تو انھیں وہ خط یاد آیا جو قیصر نے دوسرے

خطوں کے بعد دیا تھا۔ وہ اٹھ پاؤں پھرے اور وہ خط بھی خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

خلیفہ نے لفاظہ پھاڑ کر اس میں سے خط نکالا اور اسے غور سے پڑھا۔ جب پڑھ چکا تو امام شعبی سے پوچھا :

ہمدرد نو نمال جنوری ۹۸ء

”آپ جانتے ہیں اس خط میں کیا لکھا ہے؟“

انھوں نے کہا: ”نہیں۔“

خلیفہ نے خط ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور کہا:

”بچے اسے پڑھیے۔“

امام شعبیؒ نے پڑھا تو لکھا تھا: ”مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے جس نے ایک ایسے شخص کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔“

امام شعبیؒ نے کہا:

”امیر المومنین! اگر مجھے پہلے سے اس خط کے مضمون کا علم ہوتا تو میں اسے ہرگز نہ لاتا۔ قیصر نے یہ بات اس لیے لکھی ہے کہ اس نے آپ کو نہیں دیکھا۔“

خلیفہ نے کہا: ”خیر اس بات کو تو چھوڑیں یہ بتائیں کہ آپ اس خط کے لکھنے کا مقصد سمجھ گئے؟“

امام شعبیؒ نے کہا: ”نہیں امیر المومنین۔“

خلیفہ نے کہا: ”قیصر آپ جیسے لائق آدمی کو میرے دربار میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس نے یہ خط اس لیے لکھا ہے کہ میں غصے میں آکر آپ کو قتل کر ڈالوں۔“

جب عبد الملک کی یہ بات قیصر تک پہنچی تو اس نے کہا:

”مسلمانوں کا بادشاہ بھی بہت عقل مند آدمی ہے۔ اس نے ٹھیک سمجھا، یہ خط لکھنے سے میرا یہی مقصد تھا۔“

*

ہندستان میں گھوڑوں کی بہتات

اکبر کے دور میں عراق عرب، عراق عجم، روم، ترکستان، بدخشاں، شروان، قرغزہ، تبت، کشمیر، توران، ایران کے تاجر عمدہ گھوڑے لاتے تھے اور ہندستان میں ان کی نسل کشی کرتے تھے۔

فیصلہ

غزالہ حسین

آج عابد کو اخبار کا بہت بے چینی سے انتظار تھا، کیوں کہ آج اس کا نتیجہ آنے والا تھا۔ اس نے بی کام سال دوم کا امتحان دیا تھا۔ بی کام سال اول میں بھی اس کے نمبر بہت اچھے تھے۔ اسے فرسٹ ڈویژن آنے کی پوری پوری امید تھی۔ اخبار ہاتھ میں آتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی جلدی اپنا رول نمبر تلاش کرنا شروع کیا۔

”ہرا!“ وہ خوشی سے چیخا ہوا گھر کے اندرونی حصے کی طرف بھاگا۔ اندر سب گھر والے کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔

”ابو! میری فرسٹ ڈویژن آئی ہے۔“ اس نے اخبار ابو کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”بہت بہت مبارک ہو بیٹا!“ ابو نے اٹھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”ارے میرے بیٹے کا نتیجہ آگیا۔“ امی باورچی خانے سے بولتی ہوئی آئیں اور عابد کا ماتھا چوم کر اسے دعائیں دینے لگیں۔ سب بہن بھائی بھی اٹھ کر عابد کو مبارکباد دینے لگے۔ وہ سب اس خوشی میں ناشتا بھی بھول چکے تھے۔

”چلو پہلے سب ناشتا کرو، اپنے اپنے اسکول کالج جاؤ پھر شام کو خوشی منائیں گے۔“

ابو نے سب شور مچاتے ہوئے بچوں سے کہا اور سب خاموشی سے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

رات کے کھانے کے بعد رضا صاحب نے عابد کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

”آؤ بیٹا عابد! آج تو تمہاری زندگی کا بہت خاص دن ہے۔“ ابو نے بات شروع کی۔

”جی ابو! مجھے میری محنت کا پھل مل گیا ہے۔“ عابد خوشی سے سرشار تھا۔

”بیٹا! اب تم نے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ دیکھو! اب تک تم ہماری ساری توقعات پر پورے اترے ہو!“

”ابو! میں ایم کام بھی کروں گا اور مجھے نوکری بھی کرنی ہے۔“

”دونوں کام ایک ساتھ؟“ ابو نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”جی ابو! اب بی کام کرنے کے بعد میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے عملی زندگی میں قدم رکھنے کے لیے دو سال اور انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ابھی سے اپنی عملی زندگی شروع کر دینی چاہیے۔ میں نوکری کرنے کے ساتھ ساتھ پرائیوٹ ایم کام بھی کر لوں گا۔“ عابد نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی۔

”بیٹے! مجھے تمہارے خیالات سن کر خوشی ہوئی ہے۔ اگر تم ملازمت کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ اللہ تمہیں کام یابی عطا کرے۔“ ابو نے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

عابد کو ملازمت تلاش کرتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ وہ جہاں بھی انٹرویو کے لیے جاتا وہاں اس سے تجربہ مانگا جاتا تھا، جو اس کے پاس تھا نہیں۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے سفارش کے زور پر کسی اس جیسے ہی نا تجربہ کار کو ملازمت مل جاتی تھی۔ وہ پھر بھی مایوس نہیں ہوا تھا، کیوں کہ اسے اپنی قابلیت پر پورا بھروسہ تھا۔

”بیٹا! پھر کچھ ہوا تمہاری ملازمت کا؟“ وہ لاؤنج میں بیٹھا اپنی تعلیمی سندیں فائل میں لگا رہا تھا کہ ابو نے پوچھا۔

”نہیں ابو! سفارش ہر جگہ کام خراب کر دیتی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیسی سفارش بیٹا!“ ابو نے پوچھا۔

”ابو! ان دوسرے امیدواروں کی سفارش جو مجھ سے قابلیت میں کم ہونے کے باوجود سفارش کے بل بوتے پر نوکری حاصل کر لیتے ہیں۔ کل بھی مجھے یوسف انٹرپرائز والوں نے انٹرویو کے لیے بلایا ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔“ اس نے انٹرویو لیٹر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

”یوسف انٹرپرائز والے؟“ ابو نے چونک کر انٹرویو لیٹر لے لیا۔

”ارے یہ یوسف صاحب میرے دوست زبیر کے بہت اچھے دوست ہیں۔“

زبیر انکل کے دوست ہیں! جو کسٹم میں کام کرتے ہیں؟“ عابد نے پوچھا۔

”ہاں بیٹا! وہی میں ابھی انھیں فون کر کے کہتا ہوں۔ مجھے امید ہے تمہارا کام ہو جائے گا۔“ ابو اٹھتے ہوئے کہنے لگے۔

”ایک منٹ ابو!“ عابد نے انھیں روکا۔

”اگر مجھ میں قابلیت ہوگی اور میں اس ملازمت کے قابل ہوں گا تو مجھے ضرور یہ ملازمت مل جائے گی۔ آپ یہ سفارش رہنے دیں۔“

”لیکن ابھی تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ سفارش کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”ابو! ایک بات بتائیے!“ عابد نے اپنی تمام سندیں فائل میں لگا کر فائل بند کر دی اور اطمینان سے بولا۔

”پوچھو بیٹے!“ ابو نے کچھ حیران ہو کر کہا۔

”ابو! یوسف انٹرپرائز والے زبیر انکل کے کہنے پر مجھے ملازمت کیوں دیں گے؟“

”کیوں کہ بیٹا وہ زبیر کے دوست ہیں۔“ ابو نے کہا۔

”بس صرف دوستی کی بنیاد پر ملازمت دے دیں گے؟“ اس نے پھر سوال کیا۔

”نہیں صرف دوستی کی بنیاد پر تو نہیں بلکہ انھیں بھی زبیر سے کوئی کام ہوگا اور زبیر بھی ان کا کام کر دے گا۔“ ابو نے وضاحت کی۔

”تو ابو اگر انھیں یہ بات پتا ہوگی کہ انھیں جلد ہی زبیر انکل سے کوئی کام پڑنے والا ہے تو وہ مجھے فوراً ملازمت دے دیں گے۔ ورنہ معذرت کر لیں گے۔ یہی بات ہے نا ابو!“ اس نے وضاحت چاہی اور ابو نے سر ہلادیا۔

”پھر ابو! اگر وہ مستقبل قریب میں پڑنے والا کام جائز ہوگا تو انھیں زبیر انکل کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن وہ کام ناجائز ہوگا اور وہ میری ملازمت کے بدلے اپنا ناجائز کام کروائیں گے اور زبیر انکل نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا کام کر دیں گے۔ اس طرح میری وجہ سے ایک ناجائز کام ہوگا اور میرے ملک کو نقصان پہنچے گا۔ ابو! اگر مجھے ساری زندگی بھی ملازمت نہیں ملے گی تب بھی میں سفارش سے اسے حاصل نہیں کروں گا۔ بلکہ محنت، مزدوری کر لوں گا۔“ اس نے اپنی بات مکمل کر کے ابو کی طرف دیکھا۔

”شباباش بیٹا! آج تم نے میرا سر نخر سے بلند کر دیا ہے۔“ ابو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ابو ہم سب نے اپنی نادانی اور غفلت کی وجہ سے معاشرے میں لاتعداد برائیوں کو پھیلنے

عداری، لالچ، اغوا، فرار، ظلم، حوصلے، بہادری
اور خطرناک مجرموں کے تعاقب کے سنسنی خیز اور ولولہ انگیز واقعات

سلیم کی واپسی

سلطان جمیل نسیم

جینا نکلا

گزشتہ ٹکڑوں کا خلاصہ

شہر کے ایک دولت مند تاجر علیم صاحب کے بارہ سالہ اکلوتے بیٹے سلیم کے اغوا ہونے کی وجہ سے سارے گھر میں کھرام مچا ہوا تھا۔ اغوا کرنے والوں نے علیم صاحب کو سختی سے منع کیا تھا کہ پولیس کو اطلاع نہ کرنا ورنہ انجام بھیانک ہوگا۔

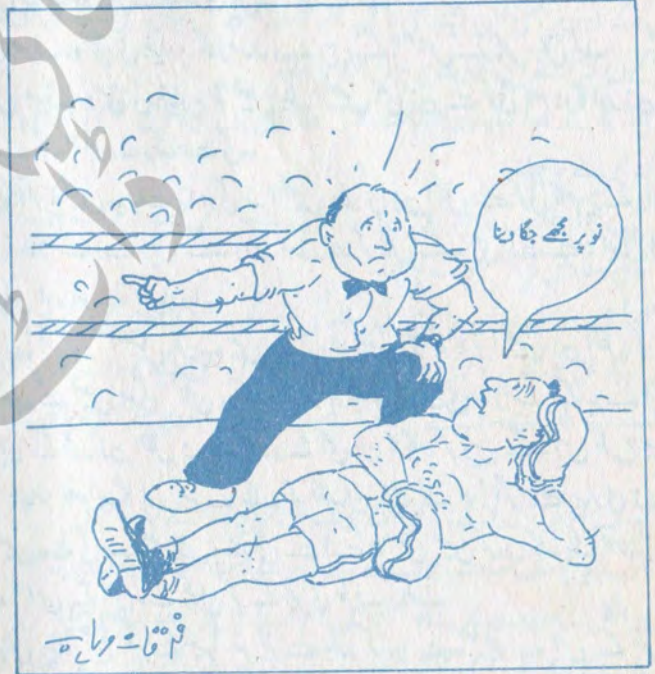
سلیم کو بہت دور ایک جنگل میں رکھا گیا تھا جو ملک دشمن عناصر کی پناہ گاہ تھی۔ سلیم کی رہائی کے بدلے میں لاکھ روپے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسی دوران ایک اور اغوا شدہ بچہ وہاں لایا گیا۔ بچہ بے ہوش تھا اور اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ بچہ اسکول کی یونی فارم پہنے ہوئے تھا۔ اس کا نام پرویز تھا۔

علیم صاحب نے رقم کا بریف کیس اپنے دوست مجیب صاحب کو دیا تاکہ وہ اغوا کرنے والوں سے رابطہ کر کے سلیم کو واپس لے آئیں۔ علیم صاحب کے پرانے دوست ایس پی امداد علی ان سے ملنے آئے۔ علیم صاحب نے انھیں پوری روداد سنائی۔ ادھر سلیم رات کے اندھیرے میں پرویز کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بھاگتے بھاگتے ان کی ملاقات ایک عورت نوری سے ہو گئی۔ وہ اپنے گاؤں کے زمیندار کے بھیجے ہوئے ڈاکوؤں کے خوف سے بھاگ کر شہر جانا چاہتی تھی۔ شیدو اور چل لڑکوں کی تلاش میں ناکام ہو چکے تھے۔

ایس پی امداد علی کو جب معلوم ہوا کہ رقم مجیب صاحب کے ذریعے سے منگوائی گئی ہے تو ان کے ذہن نے ایک خاص ڈگر پر چلنا شروع کر دیا۔ انھوں نے انسپکٹر مشتاق کو طلب کیا جو بھیس بدلے میں بڑا ماہر تھا۔ (اب آگے پڑھیے)

کا موقع دیا ہے۔ مگر اب ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ابو! میں نے امتحان کے بعد چشموں میں فرج اور ایر کنڈیشنر بنانے کا کام سیکھا تھا۔ میں اپنے اس ہنر کو اپنا پیشہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی موٹر سائیکل بیچ کر ایک دکان کھول لوں گا اور اپنا کام شروع کروں گا۔ یوں بھی نوکری ہر ایک کو تو نہیں مل سکتی۔ دنیا میں موجود ہر چیز ہر شخص کے لیے نہیں ہوتی ہے؟“ عابد نے اپنی بات مکمل کر کے مسکرا کر اپنے ابو کی طرف دیکھا۔ ابو خوش ہو کر بولے :

”ضرور بیٹا! تم محنت کرو گے اور ہم تم پر فخر کریں گے۔ تمہارا فیصلہ بالکل درست ہے اور ایک دن تم ضرور ترقی کرو گے۔“



فہمات مراد

میلے کچیلے لباس کی جھولی میں ڈالتا رہا اور وہ کتے پالتو خرگوشوں کی طرح اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ پھر وہ دیوار چھاند کر کوشی سے باہر نکل گیا۔

سلیم ابھی یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ابو اور امی کے ساتھ ناشتا کر رہا ہے کہ اچانک اسے نوری نے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ سلیم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ نوری نے گہرائے ہوئے لہجے میں کہا:

”وہ لوگ آگئے۔“

پھر سلیم کو بات کرنے کا موقع دیے بغیر اس نے پرویز کو اٹھایا اور دونوں کو کھینچتی ہوئی باہر کی طرف لے چلی۔

سلیم کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی، لیکن نوری کی گہراہٹ دیکھ کر وہ بغیر سوچے سمجھے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تینوں گھر کے پچھلے دروازے سے باہر نکلے اور بھینسوں کے خالی باڑے سے گزرتے گئے کے کھیت میں گھس گئے۔ کھیت کے بیٹوں بیچ بیچتے تک ان کے بدن پر جگہ جگہ خراشیں پڑ گئی تھیں اور ان خراشوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ جب نوری دیک کر بیٹھ گئی تو سلیم نے دبی زبان سے پوچھا:

”کیا ہوا؟ کون آگیا؟“

”نوری نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور چاروں طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ پرویز اپنے بازوؤں اور ماتھے پر آجانے والی خراشوں کو سہلا رہا تھا۔ اس کی صورت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی رو دے گا۔ سلیم نے دلاسا دینے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ جب ان کو وہاں بیٹھے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو سلیم نے بڑی دھیمی آواز میں نوری سے پھر پوچھا:

”کون آگیا تھا؟“

”ارے وہ پہنچ گئے میرے کھوجی۔“

سلیم نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پرویز کے کندھے سے سر لگا کر بیٹھ گیا۔ جب کھیت میں بیٹھے بیٹھے اتنی دیر ہو گئی کہ سورج بھی مغرب کی طرف جھلکنے لگا اور کسان کھیتی باڑی سے فارغ

مجیب صاحب کی حویلی کی دیکھ بھال کے لیے کئی نوکر بھی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ جن میں خانساں، مالی اور حویلی کی صفائی کرنے والے دو ایک لوگوں کے علاوہ چند گارڈز (محافظ) بھی تھے۔ ان محافظوں کے پاس جدید ترین اسلحہ بھی تھا جس کا لائسنس مجیب صاحب نے بنوایا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ خانساں، مالی اور صفائی کرنے والے اپنے اپنے کوارٹروں میں جا کر سو چکے تھے۔ محافظوں نے شکاری کتوں کو کھول دیا تھا جو ساری حویلی کے لان میں اور کونے کھدروں میں بھونکنے اور سونگھنے میں مصروف تھے۔ حویلی کے صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ محافظ برآمدے میں چاق چومند کھڑے تھے۔

کوشی کی پچھلی دیوار پر ایک سایہ ابھرا اور پھر دبے قدموں وہ لان میں گویا، مگر دیوار کو دکر حویلی میں داخل ہو جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ دو تین کتے بیک وقت بھونکے اور نہ صرف بھونکے بلکہ کودنے والے کی طرف لپکے بھی تھے۔

حویلی میں کودنے والا کوئی پاگل دیہاتی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے گلے میں پڑی ہوئی جھولی میں ہاتھ ڈال کر کچھ چھوٹی چھوٹی ڈنڈیاں سی نکالیں اور کتوں کی جانب اچھال دیں۔ بھوں کی ہلکی سی غراہٹ کے بعد کتے گرنے والی چیز سونگھنے لگے پھر اپنے منہ میں دبا کر تھوڑا پیچھے ہٹے۔ اگلے دونوں پیر پھیلا کر بیٹھ گئے اور اپنے منہ میں دبے ہوئے ربر کے ٹکڑوں کو اپنے دونوں اگلے بیٹوں میں دبا کر بھنبھوننے کی کوشش کرنے لگے۔ دو ایک بار منہ مارنے کے بعد وہ کتے اپنی جگہ بیٹھے رہنے کے بجائے لیٹ گئے۔ اس سارے عمل میں بمشکل ایک منٹ صرف ہوا ہو گا۔ اب پاگل دیہاتی نے بے کھٹکے حویلی کے اس حصے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جہاں روشنی نظر آ رہی تھی۔ ایک کمرے کی کھلی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے سنا چا کہ اندر کیا باتیں ہو رہی ہیں، مگر بہت دیر تک وہاں کھڑے رہنے کے باوجود وہ ایک جملے کے علاوہ کچھ نہیں سن سکا۔ وہ جملہ یہ تھا:

”تمہارے منہ سے کام بابی کی خبر سننے تک میں یہاں ٹھہروں گا۔“

جب مسلسل خاموشی رہی تو وہ پاگل دیہاتی جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے واپس چلا۔ جب وہ کتوں کے قریب پہنچا تو ان کے بیٹوں میں پھنسے ہوئے ربر کے ٹکڑے اٹھا کر اپنے

ہو کر اپنے گھر جانے لگے تو ان کے بیلوں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس وقت پرویز نے پہلو بدل کر سلیم کی طرف دیکھا۔ سلیم نے نوری کی طرف دیکھا۔ نوری نے آہستہ سے کہا بس تھوڑی دیر اور بیٹھے رہو۔ اندھیرا پھیلنے ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔

استاد شیدو نے آس پاس کا سارا علاقہ دیکھ لیا۔ لڑکوں کا پتا ملنا تھا نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر یہ سوچتا ہوا واپس لوٹا کہ اللہ جانے اس ناکامی پر ”صاحب“ کیا سزا دیں گے۔ ابھی وہ اپنی جگہ پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس کے کانوں میں بچل کے گڑ گڑانے کی آواز آئی۔

”اب کے معاف کر دو صاحب! پھر ایسی غلطی نہیں ہوگی۔“

بچل کی آواز سن کر استاد شیدو اپنی جگہ ٹھٹھک گیا۔ کچھ دیر اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا پھر بہت احتیاط سے چند قدم آگے بڑھا اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر اس نے دیکھا کہ صاحب اپنے چند خاص ملازموں کے ساتھ وہاں موجود ہیں جن کے ہاتھوں میں کلا شکوف ہے اور بے چارہ بچل ان کے سامنے بیٹھا گڑ گڑا رہا ہے۔ بچل کی بات سن کر صاحب نے کہا:

”شیدو آجائے تو پھر تمہارا فیصلہ کروں گا۔ اگر وہ بھی ناکام لوٹا تو تم دونوں کو گولی مار کر یہیں گاڑ دوں گا۔“

بچل نے یہ سن کر زمین پر ٹانگ رگڑتے ہوئے کہا:

”صاحب! ایک موقع اور دے دو۔ اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“

”اگر لڑکے نہیں ملے اور تمہیں زندہ چھوڑ دیا تو بڑا صاحب مجھے جان سے مار دے گا۔ بس اب خاموش بیٹھ جا۔ شیدو کے آنے پر ہی کوئی بات ہوگی۔“

یہ سن کر شیدو نے سوچا چھو کرے تو ملے نہیں اور ان کے ملنے کی امید بھی نہیں ہے۔ نہ جانے کس طرف نکل گئے۔ صاحب ایک دفعہ ایسی ہی غلطی پر آچر کو ٹھنڈا کر چکا ہے اور اگر وہ چھو کرے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تو پولیس یہاں ضرور آئے گی۔ ایک طرف صاحب کی گولی سے موت ہے دوسری طرف جیل کی کوٹھڑی ہے۔ اب میں کیا کروں؟ ان لوگوں کے لیے جان کی بازی لگاؤ، مگر جب ان کو گھانا نظر آئے تو یہ ہماری جان سے بھی کھیل جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ میری تلاش میں یہ کہاں کہاں جائیں گے۔ میرا کوئی گھر نہ گھات۔

ایک بوڑھی ماں ہے جس کے پاس میں نے رقم جمع کر رکھی ہے۔ اماں کو لے کر دوسرے شہر میں نکل جاؤں گا وہاں کوئی ٹھکانا دیکھ لوں گا۔

اتنا سوچ کر استاد شیدو اٹے قدموں پھر گیا۔

پاگل نظر آنے والے دیہاتی نے کوٹھی سے باہر نکل کر ایک پگڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک دیر ان جھونپڑی نظر آئی۔ دیہاتی اس جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ جھونپڑی کے قریب پہنچ کر اس نے پہلے ہلکی آواز میں سیٹی بجائی۔ پھر ایک بار زور سے بجائی۔ سیٹی کی آواز سن کر جھونپڑی میں سے ایک بیمار فقیر نکلا اور سیدھا دیہاتی کے پاس پہنچا:

”لڑکے غائب ہیں، تلاش جاری ہے۔“ دیہاتی نے کہا۔

”ہاں! ایک خبر یہ ہے کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ٹرک موجود ہے۔ شاید خراب ہے۔ اس ٹرک کے ساتھ چار پانچ آدمی ہیں جو مشکوک لگتے ہیں اور شاید کسی مستری کا انتظار کر رہے ہیں۔“ فقیر نے کہا۔

”کیا ہم ان پر قابو پا سکتے ہیں؟“

”ہاں! لیکن ہمیں اپنی اسٹین گن سنبھالنی ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔ تم گن سنبھالو۔ میں ان لوگوں کو چیک کرتا ہوں۔ کدھر ہے ٹرک؟“

فقیر نے ایک جانب اشارہ کیا اور پھر دونوں اسی طرف چلے گئے۔

اندھیرا ہو جانے پر نوری نے سلیم سے کہا: ”آؤ اب چلتے ہیں۔“

بیٹھے بیٹھے ان کے پیر شل ہو گئے اور کراڑ گئی تھی۔ جب وہ اپنی جگہ سے اٹھے تو انھیں اندازہ ہوا کہ فصل ان کے قدموں جتنی اونچی ہے اور اگر وہ بیٹھے رہنے کی بجائے کھڑے بھی ہو جاتے تو ان پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

کھیت میں راستہ بناتے ہوئے سلیم نے پوچھا:

”جو تمہاری تلاش میں آئے تھے کیا اب چلے گئے ہوں گے؟“

”خبر نہیں، لیکن اب یہاں نہیں ٹھہریں گے۔“

”مگر ہم جائیں گے کہاں؟ راستہ تو معلوم نہیں۔“
 ”میں نے بھرجائی سے پوچھ لیا ہے۔ یہاں سے میل بھر چلنے کے بعد سڑک آجائے گی۔“
 سڑک پر دائیں طرف چلتے رہے تو صبح تک شریچہ جائیں گے۔ نوری نے کہا۔
 صبح تک چلنے کی بات سن کر پرویز نے سلیم کا بازو پکڑ کر آہستہ سے کہا: ”مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

نوری نے پرویز کی بات سن لی اور دلاسا دینے کے انداز میں بولی: ”بس صبح تک صبر کر لو بیٹا! بھوک تو ہم سب کو ستا رہی ہے۔“
 کھیتوں سے نکل کر چھپتے چھپاتے وہ تینوں اس طرف چلنے لگے جدھر ان کو سڑک ملنے کی امید تھی۔ بھوک اور نیند کا غلبہ بھی ان پر طاری تھا، مگر وہ تاروں کی چھاؤں میں چلتے رہنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔

استاد شیدو جھاڑیوں سے نکل کر شرکی طرف سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ اگر وہ رک گیا تو صاحب اس کو گولی سے اڑا دیں گے۔ بھاگتے بھاگتے اس کا سانس پھول گیا۔ پہلے اس نے اپنی رفتار کم کی پھر ایک درخت کی اوٹ میں دم لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو اس کے ذہن میں پھر طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ ان خیالوں کے درمیان میں اس نے سوچا کہ میری زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ چوری، ڈاکہ، قتل، اغوا اور اسمگلنگ کرنے والوں کی نوکری، ذرا سی غلطی پر موت کی سزا، ہر وقت قانون کا خوف، اچھا خاصا موٹر میکینک تھا۔ عزت کی روٹی مل رہی تھی۔ ایک دن صاحب کا آدمی گاڑی ٹھیک کرانے کے لیے بلانے آگیا۔ کاش میں اس بلاوے پر نہ گیا ہوتا۔ لالچ بری بلا ہے۔ پیسے کی لالچ میں اپنا گیراج بیچ ڈالا۔ ان کی نوکری کر لی۔ دو تین مہینے بعد اماں سے ملنے جاؤں تو جھوٹ بولوں۔ بیچ اور ایمان داری کی روشنی اب زندگی میں باقی ہی نہیں رہی۔ صاحب کی گولی سے بیچ گیا تو جیل خانہ۔ پھر میں کیا کروں؟ وہی بات ٹھیک ہے، شریفوں کا حلیہ بناؤں گا۔ اماں کو ساتھ لے کر دور شہر میں جا بسوں گا۔ اپنا گیراج کھولوں گا۔ بے چارے پگل کا کیا ہوگا؟ میں نہیں گیا تو صاحب بیچ گولی مار دے گا۔ یہ بڑا صاحب کون ہے جس سے صاحب بھی ڈرتا ہے۔

ابھی وہ یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جو آہستہ آہستہ ایک طرف جارہے تھے۔ استاد شیدو نے ان کو دیکھ کر پہلے تو کوئی خیال نہیں کیا۔ پھر اچانک یہ سوچا یہ لوگ کون ہیں، کہاں جارہے ہیں، کہیں یہ صاحب کے آدمی نہ ہوں۔ صاحب کے آدمی ہوئے تو ضرور میری تلاش میں ہوں گے۔ مگر ان کے چلنے کے انداز سے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ خود کسی سے چھپ رہے ہوں، کیا میں ان کا پیچھا کروں۔

بڑے صاحب نے سکون کے ساتھ ساری بات سنی اور کہا:
 ”اب میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ صبح ہوتے ہی چلا جاؤں گا، مگر یاد رکھنا میں لاکھ روپے کا نقصان کوئی معمولی نقصان نہیں ہوتا۔“
 ”بجائے فرمایا آپ نے۔“ بڑے صاحب کی بات سن کر صاحب نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم تو ایک جملہ کہہ کر بری الذمہ ہو گئے۔ میرے نقصان کا بھی تو سوچو۔“
 ”آپ تو پارس ہیں جناب! جس کو چھو لیں وہ سونا بن جائے۔“
 ”خیر اب یہ چکنی چپڑی باتیں رہنے دو۔ آئندہ کے لیے یہ بات یاد رکھو کہ لاکھ سے ساکھ اچھی ہوتی ہے۔ اگر تمہارے آدمیوں کی بے پرواہی کا یہی حال رہا تو آئندہ کون اپنی امانت تمہارے پاس رکھوائے گا۔“
 ”اسی خیال سے جناب! میں نے اپنے ایک آدمی کو گولی مار دی ہے، دوسرا بھاگ گیا ہے، مگر بیچ کر کہاں جائے گا۔ اس کو زمین کے سات پروں سے ڈھونڈ لاؤں گا۔“
 ”خیر! اپنی باتیں تم جانو، مگر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ جاگیر سے نکل بھاگنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ دس پانچ آدمی چاروں طرف چھوڑ دو۔ میرا خیال ہے وہ لڑکے ابھی یہیں کہیں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوں گے۔“

”میں نے جناب کے کہے بغیر اپنے آدمیوں کا جال بچھا دیا ہے۔“
 ”لڑکوں کے ملتے ہی مجھے اطلاع دینا۔“
 ”یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے جناب! فوراً خبر دوں گا۔“

نوری نے چلتے چلتے دونوں کو دبوچ کر زمین پر بٹھادیا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔
”اب کیا ہوا؟“ سلیم نے سرگوشی میں کہا۔

”تین آدمی، دو آگے اور ایک پیچھے، شاید ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔“ نوری نے خبر دی۔
”کہاں کس طرف ہیں؟“ سلیم نے اچک کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔
”چپکے بیٹھے رہو۔“

اور تینوں کھلی جگہ میں بالکل ساکت اور خاموش بیٹھے رہے۔

نوری سلیم اور پرویز کو لے کر گاؤں سے باہر نکلی، جب تک کھیت ان کو چھپائے رہے وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھتے گئے، لیکن جب کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ان کو کھلے میدان سے گزرتا پڑا تو وہ تینوں آپ ہی چوکنا ہو کر چلنے لگے۔ پھر ایک ان کی نظر تین آدمیوں پر پڑی۔ دو تو ایک دوسرے کے ساتھی لگتے تھے، لیکن تیسرا جو ان کے پیچھے پیچھے دبے قدموں آ رہا تھا وہ یا تو ان کا دشمن تھا یا پھر کوئی جاسوس جو ان کی نگرانی کر رہا تھا۔

نوری کے کہنے سے وہ دونوں کچھ دیر تو دم بخود بیٹھے رہے، پھر سلیم نے کہا:

”ہم یہاں بیٹھ کر ان کا تماشا کیوں دیکھیں؟“

”تو کیا تم ان لوگوں سے مقابلے کے لیے جاؤ گے؟“ پرویز نے پوچھا۔

”نہیں! میرا مطلب ہے ہم راستہ بدل کر سڑک پر پہنچنے کی کوشش کریں۔“ سلیم بولا۔

”ہاں تیری صلاح ٹھیک ہے۔ چل واپس کھیت میں چل کر دوسری طرف سے آگے بڑھتے

ہیں۔“ نوری نے کہا۔

نوری کیوں کہ ان دونوں کی راہ نماتھی اس لیے وہ بغیر کسی حیل و حجت کے ان کے پیچھے چل پڑے۔ جب کھیتوں میں پہنچ کر انھوں نے کمر سیدھی کرنے کے لیے انگریزی لی تو نوری نے سوال کیا:

”بچو! یہ بتاؤ، داہنی طرف چلنے سے ہم سڑک کے اگلے حصے کی طرف نکلیں گے یا بائیں طرف چلنے سے۔“

نوری کے اس سوال پر دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ واقعی انھوں نے اب

تک یہ بات تو سوچی نہیں تھی۔ وہ تو انجان بنے نوری کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور نوری کی طرح راستے سے بالکل بے خبر تھے۔

وہ دونوں تو خواہ مخواہ ہی استاد شیدو کو نظر آگئے تھے ورنہ وہ تو جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا کہ صاحب اگر اس کی تلاش میں کسی کو بھیجیں تو وہ ہاتھ نہ آئے اور صبح ہونے سے پہلے اپنی ماں کو ساتھ لے کر شہر چھوڑ جائے۔

تھوڑی دیر تک ان دونوں پر نظر رکھنے کے بعد استاد شیدو نے سوچا، یہ لوگ کوئی بھی ہوں مجھے ان سے کیا واسطہ۔ میں اپنا راستہ کیوں کھوٹا کروں اور یہ لوگ اپنے حلیے سے علاقے کے تو نہیں لگتے ہیں۔ ضرور یہ صاحب کے بھیجے ہوئے آدمی ہوں گے جو میری تلاش میں ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں اپنی خیر مناؤں اور چپ چاپ شہر کا راستہ پکڑوں۔ اگر ان کی نظر پڑ گئی تو مزید لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

استاد شیدو نے یہ سوچ کر ان دونوں آدمیوں کے پیچھے چلنے کا ارادہ ملتوی کیا اور تیزی سے واپس ہوا۔ پھر کھیتوں میں گھس گیا۔ جہاں جھینگروں کے بولنے اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔

عقیلی صاحب پر سکون انداز میں صوفے پر بیٹھے علیم کو بے چینی کے ساتھ ٹٹلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

”دو گھنٹے پہلے ان کا ٹیلے فون آیا تھا۔ اب تک تو ان کو آجانا چاہیے تھا۔“

”آجائیں گے۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔“ عقیلی صاحب نے سمجھانے کے انداز میں کہتے ہوئے پوچھا: ”انھوں نے کیا کہا تھا؟“

”مصیبت تو یہی ہے کہ ان سے بات نہیں ہوئی تھی۔ ان کے نوکر نے ٹیلے فون کر کے کہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں یہاں آجائیں گے۔“

”سلیم ان کے ساتھ ہے؟“

”سلیم کو ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ سلیم ہی کی وجہ سے تو میں....“ علیم صاحب جو

ٹہلے ٹہلے تھک گئے تھے، اپنی بات ادھوری چھوڑ کر نڈھال سے عقیلی صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔

آپ نے جہاں اتنے دن صبر کیا ہے۔ تھوڑی دیر اور سہی۔ جب انھوں نے پیغام بھیجا ہے تو وہ اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھے یہیں آئیں گے۔ یہیں آنا چاہیے ان کو۔“ عقیلی صاحب نے دلاسا دینے کے انداز میں کہا۔

عظیم صاحب نے بہت بے چارگی سے نظر اٹھا کر عقیلی صاحب کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا: ”عقیلی صاحب! بچوں کو اغوا کرنے والے کیا خود صاحب اولاد نہیں ہوتے؟“ عقیلی صاحب نے عظیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا:

”دوسروں کی گود اجاڑنے والے اپنے سینے میں دل نہیں رکھتے۔ ان کے پاس تو ایک ہی مکروہ جذبہ ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ دولت ہٹور لینے کا۔ ایسے لوگ نہ بیٹے ہوتے ہیں اور نہ باپ۔ وہ تو روپے پیسے کے غلام ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کو انسان کہنا بھی انسانیت کی توہین ہوتی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ۔“

بات ادھوری رہ گئی کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ نوکر سے پہلے عظیم صاحب لپک کر پہنچے۔ دروازہ کھلا تو سامنے عجیب صاحب کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں برف کیس لٹک رہا تھا۔ ”میرا سلیم کہاں ہے؟“ بہت بے تابی کے ساتھ عظیم نے چاروں طرف دیکھ کر پوچھا۔

ٹرک ڈرائیور بہت دیر تک اس انتظار میں رہا کہ شاید جاگیر کا کوئی آدمی آجائے تو وہ اس سے کہہ کر باہر جانے کی کوئی سبیل نکالے، مگر طویل انتظار کے بعد بھی جب کوئی نہیں آیا تو اس نے گونگوں سے کہا:

”پیٹیاں اتار کر نیچے سڑک کے کنارے رکھ دو اور پھر ان بیٹیوں پر گھاس پھوس ڈال دو۔ میں شہر جا کر ایکسل اور مستری لے کر آتا ہوں۔“

گونگوں نے یہ سن کر ڈرائیور کو کھانے والی نظروں سے دیکھا۔ ڈرائیور نے بھی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہ جلد سے جلد شہر چلا جائے۔ حال آنکہ غصہ اس کو بھی مالکوں پر آ رہا تھا۔ کیوں کہ جب اسے یہاں آنے کے لیے حکم ملا تھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ سفر لمبا

اور راستہ خراب ہے۔ پرانے ٹرک کا کوئی بھروسا نہیں اس لیے اس کو نیا ٹرک دیا جائے، مگر نئے ٹرک سب کام سے گئے ہوئے تھے۔ مالکوں نے اس ٹرک کی مرمت اور یہ یقین دہانی کروا کر ڈرائیور کو چلتا کر دیا تھا کہ اب یہ خراب نہیں ہوگا، مگر مشین کا کیا بھروسا۔ دو جھٹکے کھانے کے بعد ایکسل ٹوٹ گیا۔

ڈرائیور کے جانے کے بعد گونگوں نے تمام پیٹیاں ٹرک پر سے اتار کر کچے میں رکھ دیں اور آس پاس جو بھی جھاڑ جھنکار ان کو مل سکتا تھا وہ ان پر رکھ دیا۔ جب وہ آخری پیٹی چھپانے کی کوشش کر رہے تھے تو اسی وقت پاگل دیہاتی وہاں پہنچا۔ دیہاتی نے اپنے ساتھی بیمار فقیر کو پیچھے رہنے کی ہدایت کر دی تھی، اس لیے فقیر ایک جھاڑی کے پیچھے چھپا ہوا دیہاتی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

گونگوں نے دیہاتی کو دیکھا تو سٹ پٹائے مگر لمحہ بھر میں انھوں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

دیہاتی نے قریب پہنچ کر کہا: ”گائے رو رہی ہے۔ پھڑا کیس کھو گیا ہے۔ کیا تم نے گائے کے بچے کو دیکھا ہے؟“

گونگوں کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ کوئی بات کر کے دیہاتی کو ٹال نہیں سکتے تھے۔ اس لیے ان میں سے ایک نے ہاتھ کا اشارہ کر کے دیہاتی کو آگے جانے کے لیے کہا، مگر جب وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں اور پھر بولا:

”کیا تم نے گائے کے پھڑے کو دیکھا ہے! وہ رو رہی ہے۔“

تب ایک گونگا آگے بڑھا اور اس نے دیہاتی کو دلوچ لینے کا ارادہ کیا۔ دیہاتی بجلی کی سی پھرتی سے ایک طرف ہو گیا اور گونگا اپنی ہی جھونک میں منہ کے بل سڑک پر آگرا۔ پھر تو باقی گونگے بھی اس کی طرف یوں بڑھے جیسے دیہاتی کی تکتہ بوٹی کر دیں گے، مگر دیہاتی تو جیسے جوڑو کرائے کا ماہر تھا۔ کسی گونگے کے لات پڑی اور کسی کے ہاتھ اور دیہاتی دور کھڑا ہوا پوچھ رہا تھا:

”بتا دو تم نے گائے کے بچے کو دیکھا ہے؟“

سلیم، پرویز اور نوری ابھی کھیتوں میں کھڑے یہ سوچ رہے تھے کہ وہ کس طرف سے آگے بڑھیں جو آسانی سے شہر کی طرف جاسکیں۔ اس خیال نے ان کے قدم روک لیے تھے کہ وہ بغیر سمجھے بوجھے چل پڑے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہر کی مخالف سمت میں آگے بڑھتے جائیں۔ وہ ابھی کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ انھیں کھیتوں میں ایسی سرسراہٹ سنائی دی جیسے کوئی اناج کی بالیاں روندتا ہوا جا رہا ہے۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں دبک کر بیٹھ گئے۔ یہ سرسراہٹ ذرا فاصلے پر سنائی دے رہی تھی۔ پھر قریب آئی اور پھر دور ہوتی چلی گئی۔ جب مدھم ہوتے ہوتے وہ سرسراہٹ بالکل ختم ہو گئی تو وہ تینوں اس طرف آگے بڑھنے لگے جدھر سے کوئی آیا تھا اور فصل کو کھلتا ہوا چلا گیا تھا۔

نوری کا خیال تھا کہ آنے والا شہر کی طرف سے آیا تھا، اس لیے انھیں ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے جدھر وہ گیا ہے۔ سلیم اور پرویز نوری کی راہ نمائی میں کھیتوں میں چلے گئے۔ حال آنکہ ان کے پیٹ میں بھوک ایسے بول رہی تھی جیسے کھیتوں میں جھینگڑ، مگر وہ بھوک اور اندھیرے کی پروا کیے بغیر نوری کا ہاتھ تھامے چلتے رہے۔

علیم صاحب نے مجیب صاحب کے آتے ہی پوچھا: ”میرا سلیم کہاں ہے؟“
 ”علیم صاحب! میں نے تو آپ کے کہنے کے مطابق ان کا انتظار کیا۔ بلکہ ایک دن زیادہ ٹھیرا۔ مگر وہ لوگ آئے ہی نہیں۔“ مجیب صاحب نے کہا۔
 ”لیکن انھوں نے تو کہا تھا کہ....“
 آپ خود ہی دیکھ لیجئے۔ اب بھی اگر آپ کہیں گے تو میں پھر چلا جاؤں گا، مگر سوال یہ ہے کہ آخر کب تک ان کا انتظار کیا جائے۔“
 ”میں... میں کیا کروں... میرا سلیم...“ مایوسی کا غلبہ تھا کہ علیم کی آواز ان کے حلق میں اٹک گئی۔

”میرا خیال ہے وہ پھر ٹیلے فون کریں گے۔“ عقیلی صاحب نے کہا۔
 ”شاید وہ ٹیلے فون کر کے سلیم کو نہ بھیجنے کی وجہ بتائیں۔“ مجیب صاحب بولے۔

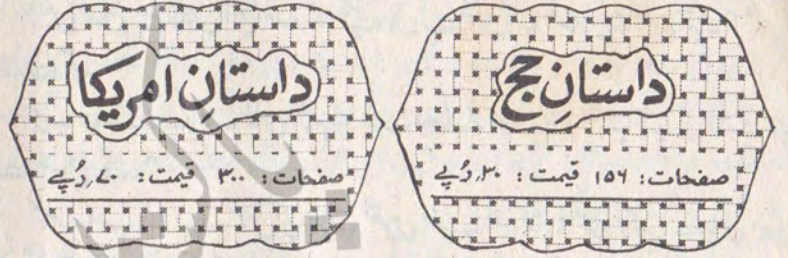
”میں... میں سلیم کی امی سے کیا کہوں؟ ان کو کیا جاب دوں؟ وہ تو بیٹے کے آنے کی آس میں دروازے پر نظر جمائے بیٹھی ہیں۔“
 ”علیم صاحب! ہمت سے کام لیجئے۔“ عقیلی صاحب نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔
 ”میں کہاں سے لاؤں اتنی ہمت کہ ایک ماں سے کہوں کہ تمہارا بیٹا نہیں آیا۔“ علیم کا گلہ رندہ گیا۔

مجیب صاحب نے بریف کیس علیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”یہ آپ کی امانت ہے اسے سنبھال لیجئے۔“

علیم صاحب نے بریف کیس کی طرف نظریں اٹھائے بغیر کہا: ”ان لوگوں کے پاس میری امانت تو سلیم ہے۔ ہو سکے تو وہ امانت لاد لیجئے۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔“
 اور اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کتا ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ عقیلی صاحب نے اٹھنا چاہا، مگر علیم ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پہنچ گئے اور دوسری گھنٹی بجتے ہی انھوں نے ریسپورڈ اٹھا کر بے تابی سے کہا: ”ہیلو!“

”دوسری طرف سے صرف سانس لینے کی آواز آئی۔“
 ”بولو بھائی! میں علیم بول رہا ہوں۔“
 دوسری جانب سے پھر ایک سانس لینے کی آواز آئی۔
 ”ہیلو! تم بولتے کیوں نہیں۔“
 دوسری سمت کسی نے ٹیلے فون رکھ دیا۔ علیم نے حسرت سے ریسپورڈ کو دیکھا اور اپنے پاس کھڑے عقیلی صاحب سے کہا:
 ”یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ ان لوگوں کو دوسروں کی اذیت کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔“
 ”کون تھا؟“
 ”کیا خبر؟“ اتنا کہہ کر علیم نے ٹیلے فون رکھ دیا۔

نوجوانوں کے لیے چار داستانیں حکیم محمد سعید کے قلم سے



نئے انداز کے ان سفر ناموں میں جو داستانیں بھی ہیں حکیم محمد سعید ان ملکوں کا حال بتاتے ہیں، پھر پاکستان کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس کے بعد نوجوانانِ وطن کو دعوت دیتے ہیں کہ پاکستان میں اچھے حالات پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے فکر و ذہن کو تیار کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کی تعمیر میں نوجوانوں نے مثبت کردار ادا کیا ہے اور حکیم محمد سعید یہ یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کا نوجوان جو ہمدردِ نونہال سے ہمدردِ نوجوان ہوا ہے پاکستان کی تعمیر کرے گا، اس کی آزادی کی حفاظت کرے گا۔



نونہالِ ادب
ہمدردِ فاؤنڈیشن پاکستان

ناظم آباد سڑک
کراچی ۷۴۶۰۰

ماہ جنوری کے اہم واقعات

واجد رضا اصفہانی

- ۲ جنوری ۱۸۳۹ء - پیرس کے لوئی ڈیگورے نے چاند کی پہلی تصویر کھینچی۔
- ۲ جنوری ۱۹۷۳ء - سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کراچی میں میجر ضیاء الدین عباسی شہید ہسپتال کا افتتاح کیا۔
- ۳ جنوری ۱۸۳۶ء - ”اودھ اخبار“ کے بانی منشی نول کشور پیدا ہوئے۔
- ۴ جنوری ۱۹۳۱ء - مولانا محمد علی جوہر لندن میں انتقال کر گئے۔ انھیں بیت المقدس میں سپرد خاک کیا گیا۔
- ۴ جنوری ۱۹۹۰ء - پاکستان میں زکریا ایکسپریس کو حادثہ پیش آیا جس میں ۴۰۰ افراد ہلاک اور ۱۵۰۰ سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔
- ۵ جنوری ۱۵۹۲ء - پانچویں مغل بادشاہ شاہ جہاں پیدا ہوئے۔
- ۵ جنوری ۱۹۷۱ء - کرکٹ کی تاریخ کے پہلے ایک روزہ میچ میں آسٹریلیا نے انگلینڈ کو ۵ وکٹوں سے شکست دی۔
- ۷ جنوری ۱۷۸۹ء - امریکا کی تاریخ کے پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے جن میں جارج واشنگٹن پہلے صدر اور جان ایڈمز نائب صدر منتخب ہوئے۔
- ۸ جنوری ۱۸۳۶ء - عظیم سیاح مارکو پولو کی وفات ہوئی۔
- ۸ جنوری ۱۹۳۱ء - اسکاؤٹ تحریک کے بانی لارڈ بیڈن پاول انتقال کر گئے۔
- ۹ جنوری ۱۹۳۰ء - ہمدرد کے بانی حکیم محمد سعید پیدا ہوئے۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء - لیگ آف نیشنز کا قیام عمل میں آیا۔
- ۱۲ جنوری ۱۹۳۰ء - بمطابق ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔
- ۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء - (پی آئی ڈی سی) پاکستان انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کا قیام عمل میں آیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء - ممتاز مزاح نگار ابن انشا (شیر محمد خان) لندن میں انتقال کر گئے۔

۱۳ جنوری ۱۹۰۰ء - پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ابوالاثر حفیظ جالندھری پنجاب کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ”سہ ماہیہ اسلام“ ہے جو چار جلدوں میں شائع ہوا جس پر انھیں ”فردوسی اسلام“ کا خطاب دیا گیا۔

۱۵ جنوری ۱۷۵۹ء - لندن میں واقع برٹش میوزیم، برطانیہ کا قومی عجائب گھر عوام کے لیے پہلی بار کھولا گیا۔

۱۵ جنوری ۱۸۸۰ء - دنیا کی پہلی ٹیلی فون ڈائریکٹری شائع ہوئی۔

۲۱ جنوری ۱۹۱۵ء - ”آل انڈیا مسلم لیگ“ کے قیام کی تجویز پیش کرنے والے برصغیر کے ممتاز مسلمان رہنما نواب سلیم اللہ خان انتقال کر گئے۔

۱۷ جنوری ۱۸۸۷ء - سندھ میں پہلا کالج ”سندھ آرٹس کالج“ قائم ہوا جس کا افتتاح بمبئی کے گورنر نے کیا۔ اس کے پہلے پرنسپل ایم آر والے تھے۔ آگے چل کر یہ دیا رام جیٹھ مل (ڈی جے) کالج کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء - اردو زبان کے معروف افسانہ نگار سعادت حسن منٹو لاہور میں انتقال کر گئے۔

۱۹ جنوری ۱۹۹۲ء - ٹیلی ویژن کے مشہور اداکار ٹیلی سوالات (کوچیک) انتقال کر گئے۔

۲۰ جنوری ۱۹۸۸ء - سرحدی گاندھی ”خان عبدالغفار خان“ باچا خان پشاور میں انتقال کر گئے۔

۲۱ جنوری ۱۹۶۷ء - صدر ایوب خان نے رسالہ پور کالج کو پاکستان ایئر فورس اکیڈمی کا درجہ دینے کا اعلان کیا۔

۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء - برصغیر کے مشہور ادیب اور شاعر محمد حسین آزاد کا انتقال ہوا۔ وہ لاہور میں دفن ہیں۔

۲۳ جنوری ۱۹۶۵ء - سابق برطانوی وزیر اعظم وینسٹن چرچل انتقال کر گئے۔

۲۵ جنوری ۱۹۹۲ء - جنگ گروپ آف نیوز پیپر کے بانی اور ایڈیٹر میر غلیل الرحمن انتقال کر گئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۶۱ء - صدر ایوب نے وار سک ڈیم کا افتتاح کیا۔

۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء - لندن میں پاکستان نیشنل موومنٹ کے چودھری رحمت علی نے اس تنظیم کے زیر اہتمام مانینگو کیمبرج سے ایک کتابچہ ”ناؤ اور نور“ جاری کیا جس میں چودھری رحمت علی نے لفظ پاکستان تجویز کیا۔ اس کتابچہ میں ہندستان میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔

۲۸ جنوری ۱۹۸۶ء - امریکی خلائی شٹل چیلنجر فضا میں دھماکے سے پھٹ گئی سات خلا باز ہلاک ہو گئے۔

۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء - تیسواں امریکی صدر فرملین روز ویلٹ نیویارک میں پیدا ہوا۔ وہ واحد امریکی صدر تھا جو چار مرتبہ امریکہ کا صدر بنا۔

۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء - ہٹلر کو جرمنی کا چانسلر بنایا گیا۔

مہمان

ایک بار معن زائدہ کی خدمت میں حضرموت سے تین ہزار قیدی لائے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ ان قیدیوں میں ایک بچہ بھی تھا۔ حکم سن کر اس بچے نے کہا :

”یا امیر! آپ کو قسم ہے کہ ہمیں پیاسا نہ ماریں۔ ہمیں قتل ضرور کرائیے، مگر پانی پلا کر۔“
معن زائدہ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو پانی پلایا جائے۔ جب سب قیدی پانی پی چکے تو اسی بچے نے امیر سے کہا :

”یا امیر! اب ہم سب آپ کے مہمان ہو چکے ہیں اور سادات مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگیں گے۔“
معن زائدہ کو اس بچے کی ذہانت پر بہت حیرت ہوئی اور اس نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

مرسلہ : محمد بخش سومرو، اوستہ محمد

بیت بازی

اس عمر مختصر پہ نہ جاؤ دوستو!
صدیاں گزر سکیں ہمیں دکھ جھیلے ہوئے
شاعر: شاہد عشقی پند: قلقت رشید پورے والا

کس کو فرصت تھی کہ سنتا اس سفر کا ماجرا
جب اسی منزل نشیں کے ہونٹ نے جنبش نہ کی
شاعر: حسن نعیم پند: عبد الحسیب خاں کراچی

بے عمل دنیا کتابوں سے نہ بیلے گی کبھی
تم جہاں سے جا رہے ہو پھر وہیں آجاؤ گے
شاعر: نازش انصاری پند: علی احمد لاہور

مٹا ہے نوٹ کر تو پھڑکتا ہے شان سے
وہ خوش مزاج شخص بہت دل جلا بھی ہے
شاعر: سلطان اختر پند: حسن ارشد فیصل آباد

ہمار ڈھونڈنے جاتا میں کس ککشاں میں
کہ پارہ پارہ تھا دل کا گلاب کیا کرنا
شاعر: منظر سلطان پوری پند: غلام مرتضیٰ ٹکناہ صاحب

ایک بھی دیوار سادہ رہ نہ پائی شر میں
ہر گزرتا ہاتھ رک کر کچھ نہ کچھ لکھتا گیا
شاعر: اجال مجید پند: اشعر صدیقی شمالی کراچی

گردش فلک سے اب کس کو خوف ہے لیکن
آدی ہی دنیا میں آدی سے ڈرتے ہیں
شاعر: مسعود حیات پند: سدید شوکت لیلی آباد

ہم کو نفرت ہے اندھیروں سے مگر کیا کیجئے
کہ اجالوں سے بھی رکھتے نہیں رشتہ ہم لوگ
شاعر: اختر علیم پند: شمس الدین شمالی کراچی

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
شاعر: فیض احمد فیض پند: حاکم ہر ایوب کچھو

جب نہ رکھتا ہو کوئی اپنے پڑوسی کا خیال
فائدہ کیا ہے یہ دیوار ملا رکھنے سے
شاعر: احمد نوید پند: حفصہ فیروز گلشن اقبال

راکھ کے ڈھیر پر اب رات بسر کتنی ہے
جل چکے ہیں میرے خیمے میرے خوابوں کی طرح
شاعر: پروین شاکر پند: قاتب شیراز پکوال

دعوا بڑا ہے علم ریاضی میں آپ کو
طول شب فراق ذرا ناپ دیجئے
شاعر: اکبر الہ آبادی پند: رحمت اللہ جی ٹانک

اپنا اپنا طرف ہے پیارے اپنی اپنی فطرت ہے
ہم کو وہ ہیں جان سے پیارے جن کو ہم سے نفرت ہے
شاعر: سعید وارثی پند: احمد ثار ایڈو اوسٹ محمد

دوستوں کے ہجوم میں ناصر
میرے اندر کا شخص تھا ہے
شاعر: ناصر کاظمی پند: عزیز نظر قریشی پشاور

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا طرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے
شاعر: برج زائن بکیت پند: بازی محمد کراچی

انعامی سلسلہ ۲۵

معلومات افزا

میر حسین علی امام

(۱) بتائیے میثاق مدینہ میں کل کتنی دفعات شامل تھیں؟
(۲) بتائیے مشہور شہر حیدر آباد دکن کس حکمران نے آباد کیا تھا؟
(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی پر اردو کی سب سے معیاری کتاب ”سیرۃ النبی“ کس کی تالیف ہے؟

(۴) پاکستان کے سب سے بڑے سول اعزاز اور سب سے بڑے فوجی اعزاز کے نام کیا ہیں؟
(۵) بتائیے وائریس ٹیلے گراف یعنی برقی تار کس سائنس دان نے دریافت کیا؟

(۶) بتائیے مشہور فلسفی گونٹے کا تعلق کس ملک سے تھا؟
(۷) بتائیے دنیا کا وہ پہلا شخص کون تھا جو قطب شمالی اور قطب جنوبی دونوں قطبین تک پہنچا؟

(۸) بتائیے جدید اولمپک کا آغاز کب اور کس مقام سے ہوا؟
(۹) بتائیے پاکستان کی کس شخصیت کو طب میں اعلا خدمات کی بنا پر روس کا ابن سینا ایوارڈ ملا؟

(۱۰) بتائیے ہیرا کس عنصر کی بیرونی شکل ہے؟

بالکل صحیح جوابات بھیجنے والے نو نمالوں میں سے دس نو نمالوں کو پچاس پچاس روپے (کم و بیش) کی کتابیں انعام میں دی جائیں گی۔ یہ دس نام محترم حکیم محمد سعید قرعے سے نکالیں گے۔ باقی نو نمالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ آپ کے جوابات ۲۰ جنوری ۹۸ء تک مل جانے چاہئیں۔ جوابات کے ساتھ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۵

نام :

پتا :

اس کوپن پر صاف صاف نام پتا لکھئے اور اپنے جوابات کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نو نمال ہمدرد ڈاک خانہ۔ کراچی کے پتے پر جلد بھیجنے۔ لفافے کے کوٹنے پر معلومات افزا ضرور لکھئے۔

ایک مرتبہ یونان کے مشہور فلسفی اور عالم ارسطو سے کسی نے پوچھا : ایک پڑھے لکھے اور ایک ان پڑھ انسان میں کیا فرق ہے؟ ارسطو نے جواب دیا : وہی جو ایک زندہ آدمی اور ایک مردہ آدمی میں فرق ہے۔“

پڑھنا لکھنا انسان کتابوں سے سیکھتا ہے اور کتابوں کے بارے میں ان لوگوں نے کیا کہا ہے جن کا نام تاریخ میں عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔ لو میں یہ تخصیص بتاتا ہوں۔ غور سے پڑھنے سمجھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تھامس جیفرسن امریکا کے صدر تھے۔ ان سے کسی آدمی نے پوچھا کہ کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انھوں نے جواب دیا : ”کتابوں کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔“

اب میکالے کی بات سنو۔ پہلے یہ جان لو کہ وہ کون تھا۔ وہ ایک مورخ، شاعر اور مدیر تھا۔ وہ کہتا ہے : ”ایک ایسا بادشاہ ہونے کی بجائے جو کتابوں سے محبت نہ کرتا ہو، میں ایک غریب ہونا اور ایسی جھوپڑی میں رہنا پسند کروں جو کتابوں سے بھری ہو۔“ آئرلینڈ کے مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے کہا ہے : ”میں جب کوئی عمدہ سی کتاب پہلی بار پڑھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے کوئی نیا دوست بنایا ہے۔ جب میں وہی کتاب دوبارہ پڑھتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنے پرانے دوست سے پھر ملاقات ہو رہی ہے۔“ مشہور برطانوی دانشور فرانس بیکن کا کہنا ہے کہ مطالعہ علمی ترقی کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ مطالعہ کے بغیر کسی فن، کسی کام میں مہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کہانیاں اور نظمیں پڑھ کر ہم مسرت حاصل کرتے ہیں۔ سفر نامے ہمیں دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والے لوگوں سے واقف کراتے ہیں۔ دنیا کے عظیم ادب کو پڑھ کر ہم نئے نئے الفاظ سے روشناس ہوتے ہیں۔ کتابوں کا مطالعہ ہمیں بہت سی فکروں اور پریشانیوں سے نجات دیتا ہے۔

نومہاںو! یہ عقل و دانش کی باتیں ہیں۔ یہ کتابوں کی باتیں ہیں۔

نوناہال خبرنامہ



جو نوناہال ان صفحات کے لیے خبریں بھیجیں، وہ جس رسالے یا اخبار سے خبر لیں اس کا تراشہ یا اس کی فوٹو کاپی ساتھ لگائیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو رسالے یا اخبار کا نام اور تاریخ تو ضرور لکھیں۔ شکریہ!

دنیا کا سب سے وزنی پھل

کوئی مانے یا نہ مانے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں ایک ایسا پھل بھی پایا جاتا ہے جس کا وزن ایک من کے قریب ہوتا ہے، دنیا کے سب سے وزنی اس پھل کو کھل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے درخت سیالکوٹ کے قریب واقع ظفر وال کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بھاری بھر کم پھل سیکڑوں کی تعداد میں ایک درخت پر لگتے ہیں۔ جولائی کے مہینے میں یہ پھل پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس خوش ذائقہ پھل میں دودھ اور کیلے جیسی لذت پائی جاتی ہے۔ کھل کے درخت کے نیچے بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں، کیوں کہ یہ بھاری بھر کم پھل نیچے گرتے رہتے ہیں۔ جب پھل نیچے گرتا ہے تو پھٹ جاتا ہے اور اس کی اندر کی ڈیلیاں زمین پر بکھر جاتی ہیں۔ یہ پھل بنگلہ دیش میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔

(نامہ نگار: تمکین رباب، ملتان)

قرآنی گاؤں

مصر کے دارالحکومت قاہرہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گاؤں "ننی" کے تمام

باسی قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گاؤں کا نام تبدیل کر کے "قرآنی گاؤں" رکھ لیا ہے اور عہد کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی حفظ قرآن کے لیے حوصلہ افزائی کریں گے۔ گاؤں میں حفظ قرآن کا پہلا مرکز ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا تھا، جس کے نتیجے میں اس گاؤں کے تمام رہنے والوں کے علاوہ قریب کے دیہات کے اکثر لوگوں نے بھی قرآن حفظ کر لیا ہے۔ (نامہ نگار: تحسین الحق حق، راولپنڈی)

نو ہزار سال پرانا ڈھانچہ اور اسکول ٹیچر

برطانیہ میں سائنس دانوں نے ایک ۹ ہزار سالہ پرانے انسانی ڈھانچے اور تاریخ کے ایک استاد کے درمیان رشتہ داری کا انکشاف کیا ہے۔ سی این این کے مطابق جنوب مغربی برطانیہ کے ایک گاؤں چیدر سے ملنے والے انسانی ڈھانچے اور اسکول ٹیچر کے طبعی ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان ربط ہے اور اسکول ٹیچر کا اس انسانی ڈھانچے سے آباؤ اجداد کا تعلق ہے۔ (نامہ نگار: حماد حنیف، سرگودھا روڈ)

حیرت انگیز بچی

عراق کے دارالحکومت بغداد میں سات سال کی ایک بچی انتہائی حیرت انگیز صلاحیت کی مالک ہے۔ وہ لڑکی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور آنکھیں بند کر کے ان کا رنگ بھی بتا سکتی ہے۔ (نامہ نگار: محمد فرخ جانی، کراچی)

ریڈار ٹاریج

امریکی ریاست جارجیا کے شہر اٹلانٹا میں امریکی سائنس دان ایک ریڈار ٹاریج بنانے میں مصروف ہیں جو پولیس افسروں کو فراہم کی جائے گی۔ اس ریڈار ٹاریج کی مدد سے نہ صرف اندھیرے میں دیکھا جاسکے گا بلکہ اس میں لگے ریڈار کی مدد سے دیواروں کے پیچھے بھی دیکھا جاسکے گا۔ اس طرح دیواروں کے پیچھے اور عمارتوں کے کمروں میں چھپے ہوئے مجرموں کا سراغ لگانے میں اس ٹاریج سے مدد ملے گی۔

(نامہ نگار: محمد ناصر شاہین، میلسی)



✚ باپ اور بیٹا ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ بیٹا اٹھ کر غسل خانے میں گیا، لیکن جب باہر نکلا تو اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ باپ نے بہت زور لگایا، مگر کمر سیدھی نہیں ہوئی۔ ایک مسافر نے کہا: ”آپ کہیں تو میں اس کو سیدھا کر دوں۔“

باپ راضی ہو گیا۔ وہ شخص لڑکے کو ایک کونے میں لے گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آئے تو لڑکا بالکل ٹھیک تھا۔ باپ نے پوچھا: ”بھائی! یہ تو بتا دیجئے آپ نے اسے سیدھا کیسے کیا؟“

اس شخص نے جواب دیا: ”بٹن کھول کر۔“

باپ نے حیرت سے پوچھا: ”کیا مطلب؟“ اس شخص نے بتایا: ”برخوردار نے کوٹ کا بٹن پتلون میں لگا لیا تھا۔“

مرسلہ: اسما سرخان زاہد، چٹوکی

✚ ایک ماہر فلکیات رات کے وقت اپنی رصد گاہ میں دوربین کی مدد سے تاروں کو دیکھ

رہا تھا۔ اس دوران رصد گاہ کے نئے چوکیدار نے آسمان پر ایک تارہ ٹوٹنے ہوئے دیکھا تو سائنس دان کی طرف دیکھ کر بولا:

”جناب! کیا خوب نشانہ ہے۔“

مرسلہ: شمیم قریشی، کراچی

✚ گلی میں شفقت صاحب کی ملاقات ہارون صاحب سے ہوئی تو شفقت صاحب بولے:

”دیکھئے! میں کئی بار آپ سے شکایت کر چکا ہوں کہ آپ کا بیٹا میری نقل اتارتا ہے۔ جس طرح میں کرتا ہوں اسی طرح وہ کرتا ہے۔ اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔“

”اب نہیں کرے گا شفقت صاحب!“ ہارون صاحب نرمی سے بولے: ”میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ بے وقوفوں جیسی حرکتیں نہ کیا کرو۔“

مرسلہ: حافظ محمد سلمان شوکت، حیدر آباد

✚ آئرلینڈ کے مشہور سیاست دان ڈی ویرا اپنی سیاسی تقریروں کی وجہ سے اکثر جیل جاتے رہتے، مگر واپس آکر وہ پھر تقریروں میں لگ جاتے۔ ایک بار ڈی ویرا ایک ہال میں تقریر کر رہے تھے کہ اچانک پولیس والے آگئے اور ان کو گرفتار کر لیا۔ ایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔

وہ ایک سال قید گزار کر آئے اور اسی ہال میں جا پہنچے جہاں ایک سال پہلے تقریر کر رہے تھے

کنے لگے:

”معزز حضرات! جیسا کہ میں اس دن کہہ رہا تھا۔“

مرسلہ: فدا اکرام، پشاور

✚ پہلا دوست دوسرے سے: ”میں نے ایک مشروب تیار کیا ہے تم آزمانا پسند کرو گے؟“

دوسرا دوست: ”کیا ہے یہ مشروب؟“

پہلا دوست: ”اسے پیتے ہی آدمی بالکل بچی بات کہتا ہے۔“

دوسرا دوست بولا: ”خوب میں چکھ کر دیکھتا ہوں۔“

”ادخ.. یہ تو تیل ہے۔“

پہلا بولا: ”تم نے سچ کہا، واقعی یہ تیل ہے۔“

مرسلہ: تحریم نادیہ، کراچی

✚ استانی نے بچوں سے کہا کہ وہ گاڑی پر سو لفظوں کا مضمون لکھ کر لائیں۔

ایک بچے نے لکھا: ”میرے ابو نے غی

کار خریدی ہے جو چلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔“

استانی نے کہا کہ یہ تو صرف دس الفاظ کا مضمون ہے۔

بچہ معصومیت سے بولا: ”باقی نوے الفاظ

ابو نے گاڑی کی شان میں کہے جو میں نہیں لکھ

سکتا۔“

مرسلہ: محمد اسد اللہ رباب، نواب شاہ

✚ دو دوست آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک نے کہا: ”میرے ابو سڑک پار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔“

”وہ کیسے؟“ دوسرے نے پوچھا۔

”وہ سڑک پار کرتے ہوئے میرا ہاتھ جو پکڑ لیتے ہیں۔“

مرسلہ: حرا سلیم، شمالی کراچی

✚ چار روز کی مسلسل بے ہوشی کے بعد مریض کی آنکھ کھلی تو اپنی چیتنی بیوی کو سرہانے بیٹھے دیکھ کر کہا:

”اللہ کے لیے گھر جا کر آرام کرو، میرے

ساتھ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“

بیوی نے جواب دیا: ”مجھے پتا تھا کہ آپ

یہی کہیں گے، اسی لیے میں چار روز کے لیے اپنے میکے چلی گئی تھی۔“

مرسلہ: نمرہ شفقت، کراچی

✚ ایک چیونٹی کہیں بھاگی بھاگی جا رہی تھی۔

راستے میں ایک چوہا ملا۔ اس نے پوچھا کہ بی

چیونٹی! کہاں جا رہی ہو؟

چیونٹی نے جواب دیا: ”بھائی چوہے!

شکاری بدوق لیے میرے پیچھے پیچھے آرہے

ہیں۔“ مرسلہ: عظمیٰ رشید سید، کوئٹہ

نوناں ادیب

لکھنے والے

محمد عارف حبیب، کراچی	غلام عباس پٹانی، قائد آباد	رانا محمد شاہد، بورے والا
محمد جمیل شندو، لاہور	سعد انور، شاہی کراچی	نورین کوثر، سعود آباد
محمد راشد خاں، کوٹ غلام محمد	محمد اقبال شمس، کراچی	آصف شندو، پہاڑ سنج
اسما حیات، کراچی	فرزانہ پروین، ملیہ ہاٹ	محمد حسین، جھڈو
ماریہ تبسم، پشاور کینٹ	محمد افضل پرنس، بورے والا	

خلفائے راشدین

محمد عارف حبیب، کراچی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان چار خلفاء کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے جو حضورؐ کی وفات کے بعد خلیفہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان خلفاء کے زمانے میں اسلام کو بڑی ترقی ملی اور اسلام دور دور کے ملکوں تک پہنچا۔

خلفائے راشدین کے نام درج ذیل ہیں :

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تعلق قریش کے قبیلے

بنو تیم سے تھا۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت مخر تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کو حضورؐ کے حکم سے مسجد نبوی میں ۱۷ نمازیں پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔ جب حضورؐ نے قریش کے لوگوں کو معراج کے واقعے کے بارے میں بتایا تو سب سے پہلے اس کا یقین حضرت ابو بکرؓ نے ہی کیا تھا۔ جہاد کے موقع پر انھوں نے اپنے گھر کا سارا سامان اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو ہی خلیفہ بنایا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا دور ۱۱ سے ۱۳ ہجری (۶۳۲ء سے ۶۳۴ء) تک تھا۔ آپ نے حضورؐ کے وصال کے بعد مرتد ہو جانے والوں اور جھوٹے نبیوں کے خلاف جہاد کیا۔ عراق کی فتوحات کا سلسلہ آپ کے زمانے میں شروع

ہوئے کہاں گئے۔ دوسرا بولا :

”ارے بے وقوف! جہاں سے ہم نے مسجد کو دھکا لگانا شروع کیا تھا وہیں پڑے ہوں گے۔“

مرسلہ : عبد المعید، حب چوکی

آزاد انور علی، گویا گنگ، ٹنڈو الہ یار

* خلیل : ”سناؤ! تمہارے والد صاحب کا کیا حال ہے؟“

خلیل : ”وہ تو بہت میں ہیں۔“

خلیل : ”بڑا افسوس ہوا۔“

پھر اسے خیال آیا کہ غلط کہہ گیا ہے۔

دوبارہ کہنے لگا : ”میرا مطلب ہے بڑی خوشی ہوئی۔“

اس بار بھی اسے ایسا لگا کہ اس نے غلط کہا ہے۔ فوراً بول پڑا : ”بڑی حیرت ہوئی۔“

مرسلہ : شاہد تحریم، ایبٹ آباد

* بیٹا (باپ سے) : ”ابو! جب ای گاتی ہیں تو اپنی آنکھیں بند کیوں کر لیتی ہیں؟“

باپ : ”بیٹا! تمہاری امی بہت رحم دل ہیں۔“

بیٹا : ”وہ کیسے؟“

باپ : ”ان کی آواز سننے سے دوسروں کو جو صدمہ ہوتا ہے وہ دیکھ نہیں سکتیں۔“

مرسلہ : عاصم شعیب

* مجسٹریٹ : ”تم نے اس آدمی کی جیب سے بڑا کس طرح نکال لیا؟“

جیب کترا : ”جناب! اس علم کو سیکھنے کے لیے فیس ادا کرنی ہوگی۔“

مرسلہ : عبد السلام گمسی، ذریہ اللہ یار جعفر آباد

* ایک دفعہ مولانا آزاد سے جواہر لال نہرو نے کہا : ”جب میں الٹا کھڑا ہوتا ہوں تو میرے بدن کا سارا خون میرے سر میں آجاتا ہے، لیکن میں سیدھا کھڑا ہوتا ہوں تو خون پاؤں میں جمع کیوں نہیں ہوتا؟“

مولانا آزاد نے جواب دیا : ”جو چیز خالی ہوتی ہے خون وہیں جمع ہوتا ہے۔“

مرسلہ : محمد شاہد حفیظ الہ آبادی، میلی

* دوپہر کے وقت دو پاگل ایک مسجد کے پاس سے گزرے۔ ایک نے کہا :

”آج تک ہم نے نیکی کا کام نہیں کیا، چلو آج مسجد کو سائے میں کر دیتے ہیں۔“

دونوں نے جوتے اتار کر نیچے رکھے اور مسجد کو دھکا لگانے لگے۔ دھکا لگاتے لگاتے شام ہو گئی اور مسجد پر سایہ ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ چلو مسجد چھاؤں میں آگئی ہے اب چلیں۔

جب انھوں نے مڑ کر دیکھا تو ان کے جوتے کوئی اٹھا کر لے گیا تھا۔ ایک نے کہا کہ

ہوا۔ آپ نے نہایت ہی حق و انصاف سے حکومت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کی وفات ۲۱ جمادی الآخرہ ۳۳ ہجری یعنی ۲۲ اگست ۶۳۳ء بروز پیر ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان کا تعلق قریش کے بنو عدی قبیلے سے تھا۔ ان کے والد کا نام خطاب تھا۔ ان کی والدہ کا نام حنیتر بنت ہشام تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہی پہلی بار کعبہ میں نماز پڑھی گئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت ۳ تا ۲۳ ہجری (۶۳۴ تا ۶۴۵ء) ہے۔ ان کے زمانے میں ایران، شام اور مصر فتح ہوئے۔ آپ نے انصاف پر مبنی زبردست انتظام سلطنت قائم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ۱۰۳۶ ہجری فتح کیے گئے۔ حضرت عمرؓ ایک غیر مسلم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ کے خاندان کا تعلق قریش کے قبیلے بنو امیہ سے تھا۔ والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا۔ حضورؐ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہؓ اور ان کے انتقال کے بعد حضرت کلثومؓ ان کے نکاح میں آئیں۔

انھوں نے غزوہ تبوک میں بہت بڑی مالی امداد کی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کا دور خلافت

۲۳ تا ۳۵ ہجری (۶۴۵ تا ۶۵۶ء) ہے۔ آپ کے زمانے میں طرابلس، قبرص، خراسان اور کابل فتح ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید کو جمع کر کے اس کی نقلیں تمام صوبوں کو پہنچائیں۔

حضرت عثمانؓ بڑی ہجری فتوحات حاصل کرنے والے پہلے حکم ران تھے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ حضورؐ کے گھر میں ان کی تربیت ہوئی۔ ان کے والد کا نام حضرت ابو طالب اور والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ آپ بڑے بہادر تھے۔ آپ نے تمام معرکوں میں حصہ لیا۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قریش کے آٹھ علم بردار مارے گئے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا دور ۳۵ تا ۴۰ ہجری (۶۵۶ تا ۶۶۰ء) ہے۔ آپ نے خارجیوں کے خلاف جہاد کیا۔ آپ نے بیت المال کی آمدنی بڑھائی۔ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال کیا۔ عدل و انصاف کو قائم کیا۔ ایک شخص ابن ملجم نے آپ کو شہید کیا۔

خوشی کے آداب

محمد جمیل شہزاد، لائسنس

خوشی انسان کا ایک طبی تقاضا اور فطری

ضرورت ہے۔ ہمارا دین بھی فطری ضرورتوں کی اہمیت کو محسوس کرتا ہے اور کچھ حدود شرائط کے ساتھ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہمارا دین یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ مصنوعی اور غیر ضروری سختی کی ہر وقت کی مرہ دلی اور افسروگی سے اپنے کردار کی کشش کو ختم کر دیں۔ وہ خوشی کے تمام جائز موقعوں پر انسان کو خوشی منانے کا پورا پورا حق دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ آپ ہمیشہ بلند حوصلوں، تازہ دلوں اور نئی اسٹیکوں کے ساتھ تازہ دم رہیں۔ جائز موقعوں پر خوشی کا اظہار نہ کرنا اور خوشی منانے کو دینی وقار کے خلاف سمجھنا دین کے فہم سے محروم ہے۔

تہوار اور تقریبات کے موقعوں پر اہتمام کے ساتھ خوشی منانے اور طبیعت کو آزاد چھوڑ دینے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم سال میں دو دن خوشیاں منایا کرتے تھے، اب اللہ نے تم کو ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔“

ان دونوں اسلامی تہواروں پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، لیکن خوشی میں اتنا مگن نہیں ہو جانا چاہیے کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں اور اپنے بھائیوں اور دوسرے مسلمانوں کا خیال بھی نہ رہے۔

مومن کی خوشی یہ ہے کہ وہ خوشی دینے والے کو یعنی اللہ کو اور زیادہ یاد کرے۔ اس

کے حضور سجدہ شکر بجالائے اور اپنے عمل اور گفتار سے اللہ کے فضل و کرم اور عظمت و جلال کا زیادہ اظہار کرے۔ خوشی اس طرح نہیں منانی چاہیے کہ غور کا اظہار ہو بلکہ دوسروں کو بھی اپنی خوشی میں شامل کریں۔

ماہ رمضان

محمد راشد خاں، کوٹ غلام محمد



لو بھی ماہ رمضان بھی گیا جس کی برکتوں اور فضیلتوں کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ اسی ماہ میں ہم مسلمانوں پر قرآن شریف جیسی پابند کتاب نازل ہوئی۔ روزہ صرف پورے دن کے بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں بلکہ اس کے بے شمار فائدے اور مقاصد ہیں۔

روزہ اسلام کا بنیادی رکن ہے اس کے لیے قرآن و حدیث میں صوم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اپنے آپ کو روکنے کے ہیں۔ روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکام الہی کے تابع کرنا اور اسے متقی بنانا ہے۔ جو شخص پورے مہینے کے روزے رکھے

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم روزے کے اصل مقصد یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہم شرائط ایمان اور احتساب دونوں سے غافل ہیں۔

جس طرح ہمارا ہر کام نمائشی ہوتا جا رہا ہے، ویسے ہی ہمارے روزے بھی نمائشی ہو رہے ہیں۔

سونے کی طاقت

اسما حیات، کراچی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ میدان میں جس کو سونے سے بہت محبت تھی اور وہ دنیا میں سونے سے زیادہ کسی چیز کو عزیز نہ رکھتا تھا۔ اس نے ملک کی سب سے بڑی جادوگرئی کو بہت سے تحفے تحائف دے مگر فرمائش کی کہ وہ اسے ایسی طاقت دے کہ جس چیز کو چھوئے وہ سونے کی بن جائے۔ جادوگرئی نے اس کی خواہش پوری کی اور اس سے کہا کہ اگلی صبح سے جب تم سو کر اٹھو گے تو تمہارے پاس یہ طاقت موجود ہوگی۔

وہ خوشی خوشی اپنے محل میں گیا۔ اگلی صبح جب وہ بیدار ہوا تو اس کو یاد آیا کہ میں ہر چیز کو سونا بنا سکتا ہوں۔ اس نے بستر کو ہاتھ لگایا تو وہ ٹھوس سونے کا بن گیا۔ وہ چھلانگ مار کر بستر سے نیچے اتر آیا اور خوشی سے ناچنے لگا۔ اس

اور خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کرے تو اسے نفس پر قابو پانے کی وہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ہر برے کام سے بچ سکتا ہے۔

جب ایک انسان پورے ماہ کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے اور اپنا بیش تر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے، تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔

یوں تو روزہ ایک عبادت ہے، لیکن اس سے ہمیں کتنے بے شمار فائدے ہوتے ہیں وہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ مہینہ بھر بھوکا، پیاسا رہ کر انسان کو دوسروں کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور ناداروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں پوری ملت اسلامیہ کا ایک ہی عبادت میں مصروف رہنا باہمی اتحاد کی نشانی ہے۔ کم سے کم غذا پر گزارہ کرنے کی عادت انسان میں قناعت اور ہمدردی جیسی صفات پیدا کرتی ہے۔

یوں تو ہر ماہ رمضان پوری ملت اسلامی کے لیے رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے، لیکن ہم پاکستانی مسلمانوں کو اس ماہ کی مبارک شب یعنی ستائیسویں شب کو پاکستان جیسا پیارا وطن ملا۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے روزوں کے وہ برکات، فضائل اور انعامات ظاہر نہیں ہوتے جو کہ ہونے چاہئیں،

سے اپنی یہ خوشی سنبھالی نہیں جاری تھی۔ وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتا وہ سونے میں بدل جاتی۔ فرش کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی سونے کا بن گیا۔ وہاں کی ہر چیز میز کرسیاں، پردے اور قالین تک کو سونے کا بنا دیا۔ حتیٰ کہ پنجرے میں بند پرندے کو بھی اس نے سونے کا بنا دیا۔ پھر وہ باغ میں گیا اور وہاں کے ہر پھول کو سونے کا بنا دیا۔ پھر اسے بھوک محسوس ہوئی تو وہ اپنے محل میں آیا۔

نوکروں سے ناشتا لانے کو کہا۔ نوکر ناشتا لائے تو ناشتا دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی۔ تازہ ڈبل روٹی، مکھن اور شد۔ اس نے ڈبل روٹی اٹھاتا چاہی تو وہ سونے کی بن گئی اس نے سوچا کہ اب اسے میں کیسے کھاؤں گا اور کیا پیوں گا؟

وہ سخت پریشان تھا۔ اچانک اس کی پیاری اور اکلوتی بیٹی وہاں پہنچ گئی۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا پھول تھا۔ وہ بولی کہ یہ پھول تو مرجھا گئے ہیں یہ خشک اور پیلے ہیں اور اس کی خوش بو نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔ مجھے نفرت ہے اس سونے کے پھول سے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے ابو کے گھنے پر بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو بننے لگے۔ اس کے ابو نے اسے پیار کیا، لیکن اگلے ہی لمحے اس کا نرم سا جسم ٹھنڈا اور سخت ہو گیا۔ یعنی وہ سونے کی بن گئی تھی۔ میڈاس کے ہاتھ میں شہزادی کا مجسمہ تھا۔ وہ بہت پریشان

ہوا۔

اسی وقت ایک آواز سنائی دی : ”مطمئن ہو دوست! میڈاس“

میڈاس بولا : ”دور ہٹا دو اس طاقت کو مجھ سے۔ اس نے میرا کھانا پینا حرام کر دیا ہے۔“ جادوگر نے آواز آئی : ”یہ تمہارے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ تمہیں سونے کی ہوس تھی۔ بہر حال میں تمہیں اس طاقت کو ختم کرنے کا طریقہ بتا دیتی ہوں۔ تمہارے باغ میں جو ایک تالاب ہے اس میں خوب نہاؤ اور سونے کے پھولوں پر بھی پانی ڈالو۔“

میڈاس نے ایسا ہی کیا اور اس کی بیٹی سمیت ہر چیز اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ زندگی میں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، صرف سونا ہی سب کچھ نہیں ہے۔

نیکی

ماریہ تبسم، پشاور کینٹ

آج کچھ زیادہ ہی گرمی تھی۔ سہ پہر کا تھا۔ باجی صحن میں پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ دادی اماں پاس ہی پڑے تخت پر بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ ننھی ٹاٹا کمرے میں بیٹھی ہوم ورک کرنے میں مصروف تھی کہ دروازے کی کھنٹی بجی۔

دروازے پر رد اکڑی تھی جو سامنے والے

گھر میں رہتی تھی۔ روانے کہا کہ میری امی نے برف بنگوائی ہے۔

امی نے کہا : ”کہہ دو کہ برف نہیں ہے۔“

ٹاٹا حیرانی سے امی کا منہ دیکھنے لگی، کیوں کہ ابھی دیر پہلے ہی تو اس نے پانی پینے کے لیے فرج کھولا تھا تو اس میں بہت سی برف رکھی تھی۔ روا کے جانے کے بعد وہ پھر ہوم ورک کرنے میں مصروف ہو گئی، لیکن اس کا دھیان ہوم ورک کی طرف نہیں تھا۔ اس کا ننھا ذہن الجھا ہوا تھا۔ جب دادی اماں تلاوت کر چکیں تو ٹاٹا ان سے مخاطب ہوئی :

”دادی اماں! ہماری نیچر کتھی ہیں کہ ہمیں دوسروں کی مدد کرنی چاہیے۔ ہم کس طرح دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں؟“

دادی اماں بولیں : ”بیٹا! مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ اس کے علاوہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو برائیوں سے روکتا اور نیکی کی ہدایت کرتا ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے اپنے مسلمان بھائی کی مدد ہے۔“

ٹاٹا جو دادی اماں کی باتیں بڑے غور اور توجہ سے سن رہی تھی بولی :

”دادی اماں! اسی لیے میں بھی اپنی ہم جماعتوں کو پنسل یا ربر وغیرہ استعمال کرنے دیتی

ہوں۔“

”دادی اماں! آج روا برف مانگنے آئی تھی“ لیکن امی نے کہا کہ کہہ دو برف نہیں ہے۔ اگر ہم برف دے دیتے تو یوں ہمیں ایک نیکی حاصل ہو جاتی۔ دادی اماں! آئندہ میں کبھی ثواب حاصل کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔“

دادی اماں نے خوشی سے ٹاٹا کا ہاتھ چوم لیا۔ ٹاٹا کی امی جو پاس ہی بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں سوچ رہی تھیں کہ ان کی یہ چھوٹی سی بیٹی کتنی اچھی باتیں کرتی ہے اور وہ دل ہی دل میں شرمندہ بھی تھیں۔ انھوں نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی کسی کی مدد کرنے کی نیکی حاصل کرنے کا موقع نہیں گنواؤں گی۔

خوب صورت شے

غلام عباس چٹائی، قائد آباد

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک کوئے کی کسی بات پر خوش ہو کر اسے سونے کا ایک ہار دیا اور کہا کہ تمہیں دنیا میں جو بھی سب سے خوب صورت لگے اس کو پہنا دینا۔

کوہ وہ ہار لے کر اڑ گیا۔ چند ہی دن بعد وہ بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے پوچھا :

”وہ کون ہے جس کو تم نے ہار پہنایا ہے؟“

کوا بادشاہ کو لے کر اپنے گھونسلے پر گیا جس کے اندر اس کو بچہ کائیں کائیں کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں وہ ہار تھا۔ جسے دیکھ کر بادشاہ ڈر گیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ کوئے کا بچہ کتنا بد شکل اور گھناؤنا ہوتا ہے، مگر اس کوئے کی نظر میں اس کا بیٹا ہی اس کی خوب صورت ترین شے تھی۔ جیسے کہ ہم اپنے والدین کے لیے دنیا کی سب سے خوب صورت شے ہیں۔

مانی گیری

سعد انور، شمالی کراچی

دنیا کا تقریباً تین چوتھائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور دنیا کے تمام سمندر اور دریا مچھلیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ مچھلیاں ہماری غذا کا اہم حصہ ہیں اور سیکڑوں لوگ مچھلیاں پکڑنے کے پیشے سے منسلک ہیں۔ یہ نہ صرف ایک مشغلہ ہے بلکہ ایک پیشہ اور تجارت کو فروغ دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بعض مرتبہ مچھیرے چھوٹی کشتیوں میں ذاتی طور پر مچھلیاں پکڑتے ہیں اور بعض مرتبہ بڑی کشتیوں میں جدید مشینوں کے ساتھ گہرے پانی سے اکٹھے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ یہ مچھیرے سمندر کے اندر رہ کر بھی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ اور انہوں کے حساب سے مچھلیاں پکڑ کر لوٹتے ہیں۔ ان جہازوں میں

مچھلیاں جمع کرنے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے تاکہ مچھلیاں خراب ہو کر ضائع نہ ہو جائیں۔

پاکستان میں مچھلیاں دو طریقے سے پکڑی جاتی ہیں۔ ایک اندرونی یا تازے پانی کی مچھلیاں اور دوسرے سمندری اور بحری مچھلیاں۔ اندرونی یا تازے پانی کی مچھلیاں دریاؤں، تالوں، سمندروں، بھیلوں اور تالابوں سے پکڑی جاتی ہیں۔ یہ کام مختلف سائز کے جالوں سے لیا جاتا ہے۔ تازہ پانی کی مچھلیاں عام طور پر چھوٹی ہوتی ہیں، مگر یہ مزے دار ہوتی ہیں۔ یہ پیک کر کے یا محفوظ کر کے قریب کے قصبے یا گاؤں وغیرہ میں بیچ آتے ہیں۔

سمندری یا بحری مچھلیاں بحیرہ عرب کے ساحل سے پکڑی جاتی ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے کے موسم میں تمام بڑے جہاز چلے جاتے ہیں اور سمندر کے خطرناک موسم کا مقابلہ کر کے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ کبھی کبھار موسم بغیر اطلاع کے ہی بہت زیادہ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ جہاز طوفانوں اور خراب موسم کا بہت بے جگری سے مقابلہ کرتے ہیں۔

حکومت نے بھی اب نئے زمانے کے مطابق اس صنعت کو بہتر بنانے کے لیے کوششیں کی ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے کے جال کو اچھی قسم کا بنایا گیا ہے اور کم قیمت پر فروخت کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ ساحل کے ساتھ ہی موسمی حالات جاننے کے لیے اسٹیشن بنائے

گئے ہیں اور ساحل پر طوفان کی اطلاع دینے کے لیے کشتیوں میں وائریس ریسیور نصب کیا گیا ہے۔

کراچی میں فیش ٹرننگ انسٹی ٹیوٹ اور فیش ٹیکنالوجی لیبارٹری بھی قائم کی گئی ہے۔ مچھلیوں سے بہت سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً خوراک کے علاوہ ادویات، تیل اور دوسری بہت سی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مچھلی اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

شبن کے لڑکے

محمد اقبال شمس، کراچی

شبن میاں کے چار لڑکے تھے۔ کتے ہیں کہ انسان کا نام اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی خیال سے شبن نے اپنے لڑکوں کے نام سوچ سمجھ کر رکھے تھے، مگر ان کے لڑکوں پر ناموں کا اتنا ہی اثر ہوا تھا۔ سب سے بڑا رئیس تھا جس کی جیب میں کبھی چھوٹی کوڑی نہ ہوتی۔ اس سے چھوٹے عاقل تھے، مگر ان سے بڑا بے وقوف اس روئے زمین پر کوئی نہ تھا۔ اس سے چھوٹے بہادر تھے۔ وہ اس قدر بہادر تھے کہ چوہے کی چہل قدمی سے بھی خوف کھاتے تھے اور سب سے چھوٹے تیز الدین تھے جنہوں نے کسی سے تیز سے بات کرنا اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا تھا۔

شبن میاں سارا دن سخت محنت کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ ان کے لڑکے پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بنیں، مگر پڑھائی کے نام سے جیسے ان کی جان جاتی تھی۔ ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ ان کی جو مرضی ہوتی کرتے پھرتے۔ ان کی وجہ سے شبن میاں کی تو راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ عاقل نہ جانے کہاں سے ایک بلی اٹھا لایا جسے دیکھ کر تینوں بھائی بہت خوش ہوئے۔

”کہاں سے اٹھالائے؟“ رئیس نے پانچھیں کانوں تک پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

عاقل سینہ پھلاتے ہوئے بولا: ”باہر گھوم رہی تھی، مجھے اچھی لگی تو میں اٹھا لایا۔“ اب جو بلی نے اپنے ارد گرد چار افراد دیکھے تو غصیلے انداز میں غرائی۔ جس سے بہادر چیخ مار کر دو فٹ اوپر اچھلا۔

رئیس بولا: ”اس کو دودھ پلاؤ بے چاری بھوکی لگ رہی ہے۔“

تیز الدین کھڑا ہوتے ہوئے بولا: ”پیے لاؤ پیے۔“

رئیس سر کھانے لگا اور پھر بولا: ”ارے ہاں! باورچی خانے میں تھوڑا سا دودھ رکھا ہوا ہے۔ وہ لے آؤ۔“

”عاقل بولا: ”بیٹھا دودھ مت لانا۔ کیا

معلوم ملی کو شوگر ہو۔“

تیز الدین بولا : ”ارے بے وقوف! شوگر انسانوں کو ہوتی ہے ملیوں کو نہیں۔“

تیز الدین باورچی خانے سے دودھ لے آیا۔ ملی دودھ پیتی جاتی اور ان چاروں کو دیکھتی جاتی کہ اچانک تیز الدین کی نظر ملی کی ٹانگ میں بندھی ہوئی ڈوری پر پڑی وہ بولا :

”رئیس دیکھو اس کی ٹانگ میں کیا بندھا ہوا ہے؟“

ہبادر بھی حیرت سے بولا : ”ارے ہاں! یہ اس کی ٹانگ میں ڈوری کیسی بندھی ہوئی ہے۔“

”چلو ہٹو میں اس کی ڈوری کھول دیتا ہوں۔ بے چاری کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔“

رئیس نے ملی کی ٹانگ سے جیسے ہی ڈوری کھولی تو ملی اچانک ہی دھواں بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دھواں نے ایک جن کی شکل اختیار کر لی جسے دیکھ کر سب ڈرے اور ہبادر ایک زوردار چیخ مار کر کپکپانے لگا۔

جن بولا : ”مجھ سے ڈرو نہیں تم لوگ میرے محسن ہو۔“

عاقل ڈرتے ڈرتے بولا : ”لیکن یہاں تو ملی تھی وہ کہاں چلی گئی۔“

جن نے بتانا شروع کیا : ”میں ہی ملی تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنے بزرگ جنوں سے بدتمیزی سے پیش آتا تھا، ان کی عزت نہیں کرتا تھا تو شہنشاہ جنت نے میرے پاؤں میں

جادوئی ڈوری باندھ دی جس سے میں ملی بن گیا اور تمہاری دنیا میں آگیا۔ تم لوگوں نے ڈوری کھول کر مجھے پھر سے جن بنا دیا ہے۔ اب میں شہنشاہ جنت سے معافی مانگوں گا اور کبھی بھی اپنے بزرگوں سے بدتمیزی نہیں کروں گا اور میں تمہیں بھی نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ بھی اپنے بیٹوں سے بدتمیزی مت کرنا ورنہ اللہ میاں تمہیں اس کی سزا ضرور دیں گے۔ تم لوگوں نے مجھ پر احسان کیا ہے لہذا تم لوگ اپنی صرف ایک خواہش متاؤ میں وہ پوری کر دوں گا۔“

چاروں بھائی سوچتے رہے پھر رئیس بولا : ”جن بھائی! بات یہ ہے کہ ہمارے نام تو بڑے اچھے اچھے ہیں، مگر ہم اپنے ناموں کے لحاظ سے بالکل اٹلے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو ہمارے نام ہیں ویسے ہی ہو جائیں۔“

جن بولا : ”اگر تم چاہتے ہو کہ تم اپنے ناموں کی طرح ہو جاؤ تو پھر تمہیں تعلیم حاصل کرنا ہوگی۔ بغیر تعلیم حاصل کیے تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔ تعلیم حاصل کر کے رئیس علم کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا، عاقل کی سوچ روشن ہو جائے گی۔ تیز الدین اخلاق کا نمونہ بن جائے گا اور ہبادر میں تعلیم کی طاقت آجائے گی۔“

یہ کہہ کر جن غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد رئیس بولا : ”میرے پیارے بھائیو! اگر ہمیں واقعی اپنے ناموں کی طرح ہونا ہے تو ہمیں ضرور

تعلیم حاصل کرنا ہوگی۔ ہم خوب پڑھیں گے اور اپنا اپنے پیارے پاکستان کا نام روشن کریں گے۔“

سب ایک ساتھ بولے : ”ہاں۔“

شام کو جب شبن تھکے ہوئے گھر آئے تو خلاف معمول گھر پر خاموشی نظر آئی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تو چاروں بھائی اپنے باپ کے قدموں میں گر گئے۔

رئیس بولا : ”ابا! ہمیں معاف کر دو ہم نے آپ کو بہت دکھ دیے ہیں۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تعلیم حاصل کریں گے۔“

شبن میاں انہیں گلے لگاتے ہوئے حیرت سے بولا : ”ج؟“

آج کی رات شبن میاں کو زندگی میں پہلی بار پر سکون نیند نصیب ہوئی تھی۔

موسموں کا انعام

فرزانہ پروین، ملیر ہاٹ

ظہیر نے اپنی بیوی کے بکائے میں آکر اپنی بوڑھی بیوہ ماں کو گھر سے نکال دیا تھا۔ جس نے اسے انتہائی محبت اور محنت سے پرورش کیا تھا۔ بڑی بی چلتے چلتے جب تھک گئیں تو ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ جس درخت کے نیچے وہ بیٹھی تھیں اس درخت کے پیچھے سردی، گرمی، خزاں، بہار کی پریاں آپس میں لڑ

رہی تھیں۔ سردی کا خیال تھا کہ میں اچھی ہوں، گرمی کہہ رہی تھی کہ میں اچھی ہوں جب کہ بہار اور خزاں کا بھی یہی دعو تھا۔

لڑتے لڑتے جب انہیں بڑی بی کے رونے کی آواز آئی تو بہار بولی : ”لگتا ہے کوئی انسان رو رہا ہے۔ کیوں نہ اس روتے ہوئے انسان سے انصاف کرایا جائے اور انعام کے طور پر اشرفیوں کی تھیلی اسے دی جائے۔“

یہ تجویز سب کو پسند آئی۔

سب سے پہلے سردی کی پری پوچھی اور بولی :

”اماں! اماں! بتاؤ میرا موسم تمہیں کیسا لگتا ہے؟“

یہ سن کر بڑی بی نے کچھ سوچا اور بولیں :

”تمہارا موسم بہت اچھا ہے۔ تمہارے آنے سے گرام گرم چلے اور قہوہ پینے لطف آتا ہے اور جب چٹوڑے کھا کر لٹاف، کبیل اوڑھتے ہیں تو لطف دوہلا ہو جاتا ہے۔“

یہ سن کر سردی بہت خوش ہوئی اور ایک اشرفیوں سے بنی تھیلی بڑی بی کو دے کر درخت کے پیچھے غائب ہو گئی۔ اس کے بعد گرمی کی پری آئی اور پوچھا :

”اماں! اماں! میرا موسم تمہیں کیسا لگتا ہے؟“

بڑی بی نے کہا : ”گرمیوں کا موسم نہایت اچھا ہوتا ہے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیتے ہیں، شہرت

بنتے ہیں اور رات کو جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو اور مزہ آتا ہے۔“

گرمی اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوئی اور اشرفیوں سے ہمراہ ایک تھیلی بڑی بی کو دے کر درخت کے پیچھے چلی گئیں۔

اس کے بعد خزاں کی پری آئی اور بولی :
”اماں اماں! میرا موسم تمہیں کیسا لگتا ہے؟“

یہ سن کر بڑی بی نے جواب دیا :
”تمہارے آنے سے بیڑوں کے پتے پیلے پیلے ہو کر گرنے لگتے ہیں اور پت جھڑکا موسم آتا ہے تو بچوں پر چلنا بہت اچھا لگتا ہے اور ایک دل فریب خوب صورت احساس ہوتا ہے۔“

یہ سن کر خزاں خوشی سے پھولے نہ سائی۔
اس نے بھی ایک تھیلی دی اور پیڑ کے پیچھے چلی گئی۔

آخر میں بہار کی پری نے آکر وہی سوال کیا :

بڑی بی نے کہا : ”جب بہار آتی ہے تو کلیاں کھلتی ہیں، ہری ہری گھاس نکلی ہے اور سبزہ سبزہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔“

بہار نے بھی بڑی بی کو اشرفیوں کی تھیلی دی اور درخت کے پیچھے چلی گئی۔ ان چاروں پریوں نے اپنی تعریف کی کہانی ایک دوسرے کو سنائی تو چاروں بہت خوش ہوئیں کہ ان کے ساتھ انصاف ہو گیا۔

اب بڑی بی کے پاس چار اشرفیوں کی تھیلیاں موجود تھیں۔ لہذا انھوں نے واپس گھر جانے کی ٹھان لی۔

ابھی وہ گلی کے کونے پر پہنچی تھیں کہ انھیں ظہیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ بہت شرمندہ تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے روتے ہوئے ماں سے کہا :

”اماں اماں! مجھے معاف کر دو۔ میں نے بیوی کے کمنے میں آکر تمہیں گھر سے نکالا تھا۔ آپ کی بہو کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔“ اس کی بیوی بھی ماں کے پیروں میں گر کر بولی :

”اماں مجھے معاف کر دیں۔ میں اب ہمیشہ آپ کی عزت کروں گی۔ اماں ایک بار معاف کر دو۔“

آخر بڑی بی نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور اشرفیوں کی تھیلیاں ان دونوں کے حوالے کر دیں۔

بادشاہ اور فقیر

محمد افضل پرنس، پورے والا

کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ شکار کھیلنے جنگل میں گیا۔ اسے جنگل میں ایک ہرن نظر آیا۔ بادشاہ نے ہرن کا پیچھا کیا اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ جب

شام ہو گئی اور بادشاہ واپس نہ آیا تو اس کے ساتھی پریشان ہو گئے اور انھوں نے بادشاہ کو جنگل میں ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

اس جنگل میں ایک جھونپڑی تھی جس میں ایک فقیر رہتا تھا۔ بادشاہ کے ساتھیوں میں ایک کو توال بھی تھا۔ وہ بادشاہ کو ڈھونڈتا ہوا اس جھونپڑی کے قریب سے گزرا اور اس نے فقیر سے پوچھا کہ تم نے یہاں کوئی آدمی تو نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا ہے تو وہ کس طرف گیا ہے؟ فقیر نے جواب دیا میں نے یہاں کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ کو توال یہ جواب سن کر چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد بادشاہ کا وزیر بھی اس جھونپڑی کے نزدیک سے گزرا اور اس نے فقیر سے پوچھا کہ تم نے یہاں کوئی سواری تو گزرتے ہوئے نہیں دیکھی۔ فقیر نے جواب دیا کہ میں نے ابھی ابھی ایک کو توال کو جاتے دیکھا ہے اور اس نے بھی یہی پوچھا تھا۔ وزیر یہ جواب سن کر آگے چلا گیا۔

جب بادشاہ واپس خیمے میں آیا تو وہ اپنے ساتھیوں کو نہ پا کر پریشان ہو گیا اور وہ اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے نکل گیا۔ بادشاہ بھی اسی جھونپڑی والے فقیر کے پاس آیا جس کے پاس کو توال اور وزیر آئے تھے۔ بادشاہ نے فقیر سے پوچھا کہ تم نے یہاں کسی آدمی کو تو گزرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فقیر نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! میں نے ایک کو توال اور ایک وزیر کو

گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بادشاہ فقیر کا جواب سن کر حیران رہ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا : ”تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ کو توال اور وزیر تھے؟“

فقیر نے جواب دیا کہ کو توال نے مجھ سے آدمی کے متعلق اور وزیر نے مجھ سے سواری کے بارے میں پوچھا جس سے میں سمجھ گیا کہ آدمی کا پتا پوچھنے والا کو توال ہے اور سواری کا پتا پوچھنے والا وزیر ہے۔ بادشاہ فقیر کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا اور فقیر کو اپنے ساتھ اپنے محل میں لے گیا۔ بادشاہ نے فقیر کو اپنا مشیر مقرر کر لیا اور یوں فقیر اپنی ذہانت سے نبی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔

روزہ اور جھوٹ

رانا محمد شاہد، پورے والا

جلالپور کی عمر ۱۳ سال تھی۔ آج رمضان المبارک کا بارہواں روزہ تھا جب کہ اس کا دسواں۔ دو روزے اس نے بغیر کسی وجہ کے چھوڑ دیے تھے۔ دراصل وہ ہر وقت کھاتے رہنے کی عادت کی وجہ سے مجبور تھا۔ ایک روزہ اس نے اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ سحری کے وقت جاگ نہیں سکا، کیوں کہ سردی بہت تھی، مگر اب اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ تمام روزے رکھے گا۔

وہ اس وقت اسکول میں کلاس کے دوستوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ استاد صاحب کسی ضروری کام سے اسٹاف روم کی طرف گئے ہوئے تھے۔

”بھائی آصف! آج تمہارا کون سا روزہ ہے؟“ جاوید نے آصف سے پوچھ ڈالا، کیوں کہ عموماً آصف اور جاوید کا ہر کام میں مقابلہ ہوتا تھا اور زیادہ تر جاوید کی جیت ہوتی تھی۔

”میں نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔ میرا بارہواں روزہ ہے“

جاوید کا دسواں روزہ تھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو اتنے سارے دوستوں کے سامنے کم تر ہوتا دیکھ کر کہا: ”میرا بھی بارہواں روزہ ہے۔“

ایک دوست بولا: ”بہت خوب! اس کا مطلب ہے جاوید سے آصف جیت جائے“

ناممکن بات ہے۔“ آصف ان کی باتوں پر بالکل توجہ نہ دیتا تھا، کیوں کہ اس کا دل بھی کہتا تھا کہ نیکی کے کام میں برتری جتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر کوئی بیماری یا سفر کرنے کی بنا پر روزہ نہ رکھ پائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ آصف ایک نیک اور مذہب لڑکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد استاد صاحب بھی آگئے۔ کلاس کے لڑکے دوبارہ پڑھائی کرنے لگے۔

جاوید کو بار بار افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ایسے ہی جھوٹ بول دیا۔ پھر خود سے بولا: ”ٹھیک ہے! آئندہ سے ایسا نہیں کروں گا۔“

گھر آکر جاوید پریشان سا رہا۔ مغرب کے وقت اذان ہوئی اور جاوید نے سب گھر والوں کے ساتھ روزہ انتظار کیا۔ جاوید اٹھا اور مسجد میں جا کر مغرب کی نماز ادا کی۔ واپس آکر کھانا کھایا۔ کچھ دیر کی چپل قدمی کے بعد اس نے ایک اسلامی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ کتاب میں روزوں کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا تھا۔ جاوید اس کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ روزے سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر نظر پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ حدیث کا مطلب تھا:

”جس شخص نے روزے کی حالت میں جھوٹ بات کرنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی دل چسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔“

اس فرمان کو پڑھنے کے بعد جاوید کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ ”اف میرے اللہ! یہ میں نے کیا کیا!“ اس نے سوچا اور کتاب بند کر کے رکھ دی۔ جاوید نے اپنے دل پر بوجھ سا محسوس کیا۔ عشا کی نماز اور تراویح کے بعد اس نے اپنے پروردگار سے اتنے بڑے گناہ پر معافی مانگی۔ دعا کے بعد جب وہ اٹھا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے دل پر جھوٹ

بولنے کے بعد سے جو بوجھ تھا۔ وہ ختم ہو گیا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا تھا۔

کمپیوٹر کی دنیا

نورین کوثر، سہو آباد

ہمارے بہت سے نونمال ساتھی کمپیوٹر کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوں گے۔ میں بھی آپ لوگوں کو کمپیوٹر کے بارے میں مختصر سی معلومات فراہم کرتی ہوں۔

کچھ کمپیوٹر بہت ہی سستے ہوتے ہیں اور بعض کی قیمت کئی لاکھ روپے ہوتی ہے۔ کمپیوٹر کیا ہے؟ کمپیوٹر ایک ایسی الیکٹرونک مشین ہے جو ان معلومات یا ہدایت کو جو اسے دی جاتی ہیں، محفوظ کر لیتی ہے اور طلب کرنے پر ان معلومات کو ہماری دی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل کر کے پیش کر دیتی ہے۔ کمپیوٹر مختلف قسم کے ہوتے ہیں جن میں سے تین یہ ہیں:

مین فریم: یہ سب سے بڑا اور طاقت ور ہوتا ہے۔ اس کمپیوٹر کے مختلف الگ الگ حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصے میں معلومات حاصل کرنے کا کام ہوتا ہے دوسرے حصے میں یا تو حاصل کی ہوئی معلومات کو دیکھا جاسکتا ہے یا پھر یہ معلومات محفوظ رہتی ہیں۔ ”مین فریم کمپیوٹر“ بڑی تعداد میں معلومات حاصل کرتا ہے۔ اس قسم کے طاقت ور کمپیوٹر بہت بڑے اداروں اور

کارخانوں وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ مینی کمپیوٹر: یہ کمپیوٹر اتنا بڑا اور طاقت ور نہیں ہوتا۔ یہ کمپیوٹر کسی خاص کام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بینک میں حصہ داروں کا حساب رکھنے یا کتب خانوں میں کتابوں کے بارے میں تفصیلات مہیا کرنے کے کام آتا ہے۔

مائیکرو کمپیوٹر: مائیکرو کمپیوٹر عام طور پر دفاتروں، دکانوں، اسکولوں یا گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں کمپیوٹر بہت عام سی چیز ہو گئی ہے۔ انسان ساری دنیا کو کم سے کم جسامت کے کمپیوٹر میں یک جا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے اور اب ہمارے مستقبل کی دنیا دراصل کمپیوٹر کی دنیا بننے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے نونمال جنہیں مستقبل کا بوجھ اٹھانا ہے، اور یقین ہے کہ یہ بوجھ کمپیوٹر کے بڑھتے ہوئے استعمال کے نتیجے میں برائے نام رہ جائے گا، ان نونمالوں کو کمپیوٹر سے متعارف کرایا جا رہا ہے۔

انسانی زندگی میں کمپیوٹر کے بڑھتے ہوئے اثرات ہماری زندگی کے طور طریقوں، ہماری عادات، ہماری ضروریات، ہماری پسند ناپسند کے معیارات میں کیا تبدیلی پیدا کریں گے، انسان اس پہلو پر غور کر رہا ہے، لیکن شاید صحیح نتائج برآمد کرنے کے لیے کمپیوٹر ہی سے مدد لینی پڑے گی۔ واقعی پھر تو ہماری زندگی کمپیوٹر کی

زندگی ہوگی اور مستقبل کی دنیا کمپیوٹر کی دنیا ہوگی۔

خواجہ ناظم الدین

آصف شہزاد، پہاڑ سٹیج



پاکستان کے ممتاز قومی رہنما اور سابق گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے جہاں انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ انگلستان سے واپسی پر خواجہ ناظم الدین نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق عوام کی خدمت اور سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کی بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے۔ اسی خوبی نے انھیں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کا مقبول رہنما بنادیا۔

پاکستان بننے سے پہلے بھی وہ متحدہ بنگال کی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے اور کئی بار وزیر بنائے گئے۔ انھوں نے وزارت تعلیم کی ذمہ داری بھی انجام دی اور اپنی کوششوں سے بنگال کے خستہ حال مسلمانوں کو تعلیم کے

میدان میں آگے بڑھایا۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کی قومی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انگریزوں کی حکومت نے انھیں ”سر“ کا خطاب دیا۔

خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں کی بنا پر ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کو بنگال میں ۷۷ فی صد نشستوں کی مثالی کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی سال جب مسلم لیگ نے انگریزوں کی ہندو نوازی کے خلاف احتجاج کیا اور قائد اعظم نے بڑے بڑے مسلم رہنماؤں سے انگریزوں کے دیے ہوئے خطابات واپس کرنے کی اپیل کی تو اس اپیل پر لبیک کہنے والے پہلے شخص خواجہ ناظم الدین ہی تھے۔

پاکستان قائم ہوا تو قائد اعظم نے خواجہ صاحب ہی کو مشرقی پاکستان کا پہلا وزیر اعلیٰ مقرر کیا۔ جب قائد اعظم اللہ کو پیارے ہو گئے تو مسلم لیگ نے متفقہ طور پر خواجہ صاحب ہی کو قائد اعظم کی جگہ پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اسی طرح جب قائد ملت لیاقت علی خاں شہید ہوئے تو اس وقت بھی وزیر اعظم کے اہم ترین عہدے پر خواجہ صاحب ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔

خواجہ ناظم الدین صاحب ایک بہترین انسان اور باعمل مسلمان تھے۔ قدرت نے انھیں دین داری، ہمدردی، انسان دوستی، انکساری اور دیانت داری کی خوبیاں عطا کی

تھیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ خواجہ صاحب مرحوم سے مل لیتا، ہمیشہ کے لیے ان کا مداح ہو جاتا۔ ۱۹۶۴ء میں ستر سال کی عمر میں اس عظیم پاکستانی رہنما کا انتقال ہوا۔

اشرفیاں اور ہار

محمد حسین، جھڈو

ایک ملک کے بادشاہ نے جنگل سے لکڑی کاٹنے پر پابندی لگا دی۔ ایک شخص لکڑی بیچ کر گزارا کرتا تھا۔ جب وہ جنگل سے لکڑی لے کر شہر میں داخل ہوا تو اسے سپاہی نے پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

بادشاہ نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا ”میں لکڑی بیچ کر اپنا پیٹ بھرتا ہوں۔“

یہ سن کر بادشاہ نے اسے ایک ہار دیا اور کہا ”اس کو فروخت کر کے اپنا پیٹ پالو۔“

وہ بہت خوش ہوا اور ہار لے کر گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں ہار جیب سے نکال کر دیکھنے لگا۔ یکایک ایک چیل یہ ہار جھپٹ کر لے اڑی۔ اسے بہت افسوس ہوا۔ دوسرے دن وہ پھر لکڑی لینے گیا۔ پھر پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی۔

اس نے سارا واقعہ بادشاہ کو سنایا۔ بادشاہ بڑا رحم دل تھا۔ اس نے یہ سن کر اسے کچھ اشرفیاں دیں۔ اشرفیاں لے کر گھر پہنچا تو وہاں

اس کی بیوی موجود نہیں تھی۔ اس نے حفاظت کے خیال سے ان اشرفیوں کو ایک تھیلی میں ڈال کر چولہے میں دیا دیا اور اوپر سے راکھ ڈال دی اور آنا خریدنے بازار چلا گیا۔

اتنے میں اس کی پڑوسن برتن مانجھنے کے لیے راکھ لینے پہنچی تو اسے چولہے میں اشرفیوں کی تھیلی ملی۔ وہ تھیلی لے کر واپس اپنے گھر آگئی۔

کچھ دیر بعد وہ آٹا لے کر آیا اور بیوی سے کہا کہ روٹی پکاؤ۔ اس کی بیوی نے کہا کہ لکڑی نہیں ہے۔ اپنے گھر میں جو درخت ہے اس کے اوپر والی شاخ سوکھی ہے وہ کاٹ لو۔ وہ اوپر چڑھا تو دیکھا کہ وہاں ایک چیل کا کھونسلا تھا۔ اس کھونسلے میں اسے وہ ہار نظر آیا جو چیل لے گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا:

”کل والا چور پکڑا گیا۔“

یہ سن کر اس کی پڑوسن جو صحن میں بیٹھی اشرفیاں گن رہی تھی وہ ڈر گئی۔ اس نے سوچا، اس سے پہلے کہ یہ کو تو آل کو بلا کر لائے یہ تھیلی واپس دے دوں۔ اس لیے وہ واپس آئی اور کہا کہ میں کل راکھ لینے آئی تھی تو مجھے چولہے میں سے یہ تھیلی ملی۔ مجھے معاف کرو۔ اس شخص نے اسے معاف کر دیا۔ اس طرح اللہ کے فضل سے اسے رقم اور ہار دونوں چیزیں واپس مل گئیں۔



آدمی ملاقات

✚ نومبر کا رسالہ پھولوں کا مہکتا گل دست تھا۔ جس سے ہمارا دل و دماغ پوری طرح مہک گیا۔ رسالے میں تمام نظمیں کہانیاں، بہت اچھی تھیں۔ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ جس سے سوچ کے نئے دریچے کھلے۔ روبینہ ناز، کراچی

✚ جاگو جگاؤ، پہلی بات، خیالوں کی مہک اور پھول پھول خوشبو اور کہانیوں میں سلیم کی واپسی (چوتھا کڑوا)، گم نام محسن (طالب ہاشمی) اور کرن امید کی (نجمہ خان) پسند آئیں۔ محمد مقصود حسین رحمانی، سیالکوٹ

✚ سلیم کی واپسی کوئی خاص نہیں جارہی ہے۔ برفانی انسان (شیم نوید)، کھیلوں کا شہزادہ (سید فتح علی انوری)، فاختہ کے آنسو (کرن خلیل) بہت پسند آئی۔ بیت بازی بھی اچھی تھی۔ لطیفے کچھ خاص نہیں تھے۔ سجاد حسین پرنس انصاری، سرگودھا

✚ ہمدرد نونمال بہت اچھا رسالہ اور خوب صورت با تصویر کہانیاں اس رسالے کی شان ہیں۔ محمد ندیم، جھنگ

✚ کہانیوں میں نیلم کا آخری ٹھکانہ (انوشہ نوید)، کھیلوں کا شہزادہ (سید فتح علی انوری)، گم نام محسن (طالب ہاشمی)، فاختہ کے آنسو (کرن خلیل)،

بہت ہی پسند آئے۔ فرزند علی ساگر، میانوالی

✚ نومبر کا شمارہ ملا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اس کے بعد تمام سلسلوں میں نظر دوڑائی، لیکن آدمی ملاقات کے علاوہ کسی بھی جگہ نام نہیں تھا۔ محمد ناصر شاہین، سیلی

✚ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید)، پہلی بات (مسعود احمد برکاتی)، ہر مرتبہ نمبروں آتے ہیں۔ کہانیاں سب اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ پھول پھول خوشبو، ہنسی گھر اور نونمال ادیب میں پیارے نونمالوں کی تحریریں پڑھیں، مگر افسوس کہ میری اس میں کوئی تحریر نہیں تھی۔ محمد بخش سومرو، محمد ایوب سومرو، اوستہ محمد

✚ میں آپ کا ہمدرد نونمال رسالہ بھی بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور یہ ایک اچھا رسالہ ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔ گل امین خاں، حیدر آباد

✚ ہمیں نونمال ملا تو بالکل چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ جس کے خوب صورت صفحات چاندی کی طرح سے چمک رہے تھے۔ سرورق پر خوب صورت سی شریر بچی کی تصویر بھی بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ شازدہ اصغر خاں قاسمی، کپرو

✚ آپ کا رسالہ ہمدرد نونمال میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ زینب فاطمہ، اوکاڑہ

✚ انکل! نونمال ہمارا پسندیدہ رسالہ ہے اس کی سب سے اچھی چیز یہ ہے کہ اس میں رنگین تصاویر زیادہ اور چھپائی صاف تھری جوتی ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ ساتھ کہانیوں کا معیار بھی

کافی اچھا ہوتا ہے۔ قاضی راشد بے ضرر، یمن

✚ سہیقی، سرٹکلین عباس، وسیم عباس، جشید جہی، بلال احمد، اقبال دستی، ریاض رانجھا، سلیم سہیقی، رئیس خاں، سعید دستی، ذیشان عبد اللہ عامر، کوٹ سلطان

✚ ہمدرد نونمال ہمارے لیے ہی شائع ہوتا ہے تاکہ ہم اچھی تحریروں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں تاکہ ہمارا کردار نکھر سکے۔ شازدہ اصغر خاں قاسمی، کپرو

✚ میں نے آپ کی خدمت میں کچھ تحریریں پیش کی تھیں، لیکن آپ نے ان کو شائع نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ نونمال پر صرف کراچی، لاہور والوں کا حق ہے، ہمارا نہیں۔ محبوب علی ڈوکی، اوستہ محمد بلوچستان

✚ ج: ہمدرد نونمال پورے پاکستان کے نونمالوں کے لیے ہے۔ یہ آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔

✚ ہمیں یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ ہم اسے بڑی توجہ سے پڑھتے ہیں۔ اسماعیل بلوچ شیرانی، شیر شیرانی، دوست علی شیرانی، اسلم شیرانی، چیمبو

✚ سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیاں ساری ہی اچھی تھیں، لیکن جو سب سے زیادہ پسند آئیں ان میں روشن چہرے (اطہر رضا اجنبی)، کھیلوں کا شہزادہ (سید فتح علی انوری) اور فاختہ کے آنسو (کرن خلیل) بہت پسند آئیں۔ کرکٹ کے کھلاڑی اور نونمال اپنی مثال آپ تھا۔ عامر انصار رائے، ملکووال

✚ کہانیوں میں روشن چہرے، برفانی انسان، گم نام محسن، نیلم کا آخری ٹھکانہ، سلیم کی واپسی بہت دل چسپ اور سبق آموز تھیں۔ محمد عثمان امین، احمد پور شرقیہ

✚ انکل کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ بھی بہت پسند آیا۔ عبد الکریم ملک، پہلی اسٹیشن

✚ پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ امید ہے میرا خط ضرور شائع ہوگا۔ اس بار کے شمارے کا سرورق بالکل اچھا نہیں تھا۔ جاگو جگاؤ، بہت اچھا تھا۔ ابن اشاک مسکراتی تحریر ”انٹارپارے“ بھی اچھی تھی۔ کہانیوں میں روشن چہرے، نیلم کا آخری ٹھکانہ اور کرن امید کی بہت اچھی تھیں۔ برفانی انسان، گم نام محسن اور فاختہ کے آنسو نمبروں کہانیاں تھیں۔ کھیلوں کا شہزادہ اتنی خاص نہیں تھی۔ ہنسی گھر نونمال ادیب، بچی بات اور پھول پھول خوشبو بھی اچھے تھے۔ کرکٹ کے کھلاڑی اور نونمال بھی اچھا تھا۔ سلیم کی واپسی بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ سونیا رباب، صوفیہ رباب، لاہور کینٹ

✚ نومبر کا شمارہ پسند آیا۔ کہانیوں میں برفانی انسان، کھیلوں کا شہزادہ، روشن چہرے اچھی تھیں۔ لطیفے بھی مزے دار تھے۔ سلمان محمود، کراچی

✚ میں اپنی آخری تحریر بھیج رہا ہوں اگر آپ نے شائع نہیں کی تو میں سمجھوں گا کہ آپ پاکستان کے غریب نونمالوں سے ہمدردی نہیں کرتے۔ محمد اصغر اسحاق، ٹنڈو الہ یار

✚ ج: دیکھ لیجئے یہ تحریر تو آپ کی چھپ گئی۔

رسالے میں تحریر صرف وہ چھپتی ہے جو اچھی ہو۔

✚ سرورق پر ایک پیاری سی بچی نے استقبال کیا۔ کمائیاں تقریباً سبھی اچھی تھیں۔ خاص طور پر روشن چہرے۔ انشا پارے پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ جاگو جگاؤ حسب معمول بہت ہی خوب صورت تھا۔

غازیہ اقبال، کراچی

✚ شاید ہماری کمائی وغیرہ اس لیے شائع نہیں کی جاتی کہ ہم چھوٹے گاؤں اور اندرون سندھ کے رہنے والے ہیں۔ خالد جان چاندیو، سکرنڈ

ج : ہم نے آپ کا خط چھاپ دیا ہے۔ آپ کی بات تو غلط ہوگئی۔

✚ نومبر ۷۷ء کا نوئمال بہت اچھا تھا۔ کمائیاں میں سلیم کی واپسی (سلطان جمیل نسیم) برفانی انسان (حکیم نوید) نسیم کا آخری ٹھکانہ (انوشہ نوید) اور کھیلوں کا شہزادہ (سید فتح علی انوری) بہت پسند آئیں، لیکن میرا آپ کو ایک مشورہ ہے کہ ایک کمائی جانوروں پر بھی ہونی چاہیے۔ محمد عابد سومرو، صادق آباد

✚ تمام کمائیاں زبردست تھیں۔ خاص کر برفانی انسان، گمنام محسن، اور قط وار کمائی سلیم کی واپسی نمبروں تھیں۔ عبد السلام گسسی، ڈیرہ الہیار

✚ نومبر کا نوئمال پسند آیا۔ میرے خیال میں برفانی انسان، نمبروں آئی اور دیگر بھی اچھی تھیں۔ محمد فرخ جانی، کراچی

✚ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) بے حد پسند آیا۔ کمائیوں میں روشن چہرے، برفانی انسان، کھیلوں کا

شہزادہ اور فاختہ کے آنسو بہت پسند آئیں۔ محمد ارشد انجم، محمد خالد سعید بلوچ، غلام عباس سرگانی، نسیم الدین، وسیم پنوار، فیاض چمن، بہادر زمان، کوٹ سلطان ضلع لیہ

✚ کمائیوں میں برفانی انسان روشن چہرے، گم نام محسن، کھیلوں کا شہزادہ، سلیم کی واپسی (۴) پسند آئے۔ آپ ہر ماہ نوئمال ادیب میں ایک نقل شدہ کمائی شائع کر دیتے ہیں۔ اس بار بھی زین العابدین کی کمائی فقیر اور سوداگر نقل شدہ تھی۔ محمد کامران نواز، کراچی

✚ میں نے اب تک بہت سارے خط بھیجے ہیں، لیکن کیا خیال کہ میرا ایک بھی خط شائع ہوا ہو۔ نجم نواز خاقان، نسیم نواز شاکر، سیدیہ نواز، ملتان منصور، فیصل آباد

ج : یہ خط بھی تو آپ ہی کا ہے۔ یا د رہے کہ سیکڑوں خطوط میں سے صرف چند خط ہی چھاپے جاسکتے ہیں۔

✚ ہم سب بہن بھائی اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ایک گزارش ہے کہ آپ اس میگزین میں قط وار سرفنامہ بھی شائع کیا کریں۔ شازیہ کنول کبوء، فیاض الحق کبوء، نازیہ حق کبوء، عدنان رفیق کبوء، ہالائی

✚ نومبر کا شمارہ ملا۔ سرورق اتنا خاص نہ تھا۔ آپ نے اس سال کسی بھی شمارے کا سرورق مینے کی مناسب سے نہیں دیا ہے۔ سب کمائیاں پسند آئیں، لیکن روشن چہرے۔ برفانی انسان، گم نام

محسن اور نسیم کا آخری ٹھکانہ زیادہ پسند آئیں۔ کھیلوں کا شہزادہ، کرن امید کی، فاختہ کے آنسو کچھ خاص نہ تھیں۔ سلیم کی واپسی کا چوتھا ٹکڑا پسند نہیں آیا۔ یہ ناول بور سا معلوم ہوتا ہے۔ نوئمال ادیب میں تبدیلی خوش آئند بات ہے۔ محمد شاہد حفیظ الہ آبادی، سیلی

✚ نومبر کے سرورق پر ایک پیاری سی بچی لپ اسٹک سے ڈیزائن بنانے میں مصروف تھی۔ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید)، پہلی بات (مسعود احمد برکاتی)، حسب روایت فصیحہ آموز تھے۔ رابعہ انصاری کے انشا پارے پسند آئے۔ دوسری کمائیوں میں برفانی انسان گمنام محسن، نسیم کا آخری ٹھکانہ اور کھیلوں کا شہزادہ پسند آئیں۔ سلیم کی واپسی زبردست جاری ہے۔ فانی ادیب، سیلی

✚ مستقل سلسلوں میں ہنسی گھر بیت بازی، نوئمال ادیب اور آدمی ملاقات بہت پسند آئے۔ کرکٹ کے کھلاڑی اور نوئمال بہت خوب صورت مضمون تھا۔ پھول پھول خوشبو میں کچھ خاص تحریریں نہ تھیں۔ محمد صدیق الہ آبادی، سیلی

✚ نومبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ کمائیوں میں خاص طور پر برفانی انسان، گمنام محسن، کرن امید کی اور نظموں میں زندگی اسی کی ہے بے حد پسند آئیں۔ البتہ ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ آپ اس کی جانب توجہ دیجئے۔ اسماء سمیع خاں، کراچی

✚ ہمدرد نوئمال گاؤں میں رہنے کی وجہ سے ۶ یا ۷ تاریخ سے پہلے نہیں ملتا۔ اگر ہم اسے ڈاک سے

منگوانا چاہیں تو کیا اس سے پہلے مل سکتا ہے؟ سدرہ بتول، گوجرانوالہ

ج : ڈاک خانے کا انتظام اتنا خراب ہے کہ اس سے بھی زیادہ دیر لگ سکتی ہے۔

✚ اس بار کا نوئمال بیش کی طرح بہترین تھا۔ اور بے حد پسند بھی آیا اور خاص طور پر حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ جویریہ رؤف، کراچی

✚ ماہ نومبر کا نوئمال بہت اچھا لگا۔ کمائیوں میں مجھے روشن چہرے، برفانی انسان گمنام محسن، نسیم کا آخری ٹھکانہ، سلیم کی واپسی، فاختہ کے آنسو، نعت، نوئمال ادیب، پھول پھول خوشبو بہت پسند آئیں۔ وسیم علی، کدھ کوٹ

✚ یہ میرا پہلا خط ہے اور میری دوست نوئمال بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ مجھے نوئمال کی کمائیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور اس مینے کا نوئمال بھی اچھا تھا۔ صفیہ ارم علی خاں، نارنگھ کراچی

✚ مجھے نومبر کے رسالے میں بہت سی چیزیں اچھی لگی ہیں۔ سرورق بہت مزاحیہ تھا اور کمائیوں میں برفانی انسان شان دار رہی۔ کنول منہاس، گوجرانوالہ کینٹ

✚ کیا آپ نوئمال میں نوئمال شاعروں کو تھوڑی جگہ بھی نہیں دے سکتے۔ تو پھر ہم نوئمال کس طرح آنے والے دنوں میں پاکستان کے باکمال شاعر بن سکیں گے۔ حنا ایوب کھرو

ج : کمائیاں، مضامین یا اشعار صرف اس وقت

رسالے میں چھاپے جاتے ہیں، جب وہ بے عیب ہوں اور ان میں کوئی خوبی بھی ہو۔

✚ ماہ نومبر کا شمار پڑھا سلیم کی واپسی (مظنان جیل نسیم) برقانی انسان (شیم نوید) علامہ اقبال کے بزرگ (سلیم فرخی) یہ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ افغان جماد اور جماد کشمیر کے بارے میں مضامین نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر مضامین کی تعداد میں اضافہ فرمائیے۔

طاہرہ خاں، کراچی

✚ مجھے سب سے زیادہ جو کہانی پسند آئی وہ گم نام محسن تھی۔ باقی تمام سلسلے بھی کافی اچھے تھے۔

بابر شہزاد آتش، طارق محمود، سرگودھا

✚ ہمدرد نومال واقعی بچوں کے لیے ایک لاجواب رسالہ ہے۔ ہر ماہ کی طرح اس بار بھی رسالہ بہت اچھا تھا۔ اگر میں ایک قسط وار کہانی لکھ کر آپ کو بھیجوں تو کیا آپ اسے شائع کر دیں گے؟ فیصل اقبال قریشی، اشفاق حسین قریشی، سرگودھا

ج : کہانی کو دیکھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

✚ اس ماہ کے رسالے میں صرف روشن چہرے کہانی پسند آئی۔ ناصر، ابو بکر، محمود آباد

✚ ہمیشہ کی طرح نومبر کا شمار بھی اپنی تمام تر رعنائیوں سے مزین منظر عام پر آیا۔ ٹائٹل پر گزیا کے میک اپ کرنے کا انداز اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید کی دل افروز باتیں اپنی مثال آپ

ہوتی ہیں۔ میری ایک تجویز ہے کہ آپ ہر ماہ کی منتخب شخصیات کے حوالے سے معلوماتی تحریروں کا سلسلہ شروع کریں جس کا عنوان منتخب شخصیات رکھیں۔ محمد صدیق صابری، سوڈی گجر

ج : منتخب شخصیات پر مناسب وقت پر تحریریں چھاپی جاتی ہیں۔ اس کے لیے سلسلے کی ضرورت نہیں۔

✚ ہمارا پیارا نومال ہر ماہ اپنی آب و تاب سے چمکتا ہے تو ہم اس کی روشنی سے اپنے دماغ کو علم اور معلومات سے روشن کرتے ہیں۔ میرا ناز قریشی، محمد عاطف عمر قریشی، میوند ناز قریشی، نواب شاہ

✚ نومبر کا دھماکے دار شمارہ ملے۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات شہ کی طرح بہت اچھی تھیں۔ نعت رسول مقبول بہت اچھی لگی۔ عمر حیدر شاہ، کپرو

✚ آپ محبت بھرے خطوں کو رومی کی نوکری کی نظر کر دیتے ہیں۔ اس بار یہ میرا آخری خط ہے۔

محمد تنویر، بہاول پور

ج : کسی نومال کا خط رومی کی نوکری میں نہیں ڈالا جاتا، لیکن ہزاروں نومالوں کے خط نہیں چھاپے جاسکتے۔ جس خط میں کوئی خاص بات ہوتی ہے وہ چھاپ دیا جاتا ہے۔

✚ میں آپ کا ہمدرد نومال رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ گل

امین خاں، حیدر آباد

✚ اس بار نومال کی کہانیوں میں فاختہ کے آنسو (کرن ظلیل)، روشن چہرے (اطہر رضا اجنبی)،

مکیوں کا شہزادہ (سید فتح علی انوری)، نیلم کا آخری ٹھکانا (انوشہ نوید) اور برقانی انسان (شیم نوید) اور نومال ادیب بھی بہت اچھا تھا۔ فرحین فاطمہ، کراچی

✚ نومبر ۹۷ء کا شمارے کا سرورق دیکھ کر خیال آیا کہ شاید میں نے بھی کبھی ایسی شرارتیں کی ہوں۔ چند ماہ پہلے سے نومال پڑھنا شروع کیا ہے۔ واقعی یہ ہم بچوں کے لیے ایک نعمت ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ہماری اورد اچھی سے اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ اب ہمیں اندازہ ہوا کہ اس سے پہلے ہماری اورد کس قدر ناقص تھی۔ اس میں کہانیاں، مضامین، لطیفے، اشعار، چٹکے، معلومات سبھی کچھ معیاری ہوتا ہے۔

معلومات افزا ۲۳ کے جوابات

ضروری اعلان

معلومات افزا نمبر (۲۳) کے سوالات کے جوابات بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۰ نومبر ۹۷ء کے بجائے غلطی سے ۲۰ دسمبر لکھ دی گئی، پھر بھی کچھ نومالوں نے ۲۰ نومبر تک جوابات بھیج دیے ہیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ نومال ۲۰ دسمبر ۹۷ء کے خیال سے بعد میں جوابات بھیجیں اور اگر ہم معمول کے مطابق اس شمارے (جنوری ۹۸ء) میں جوابات اور نام شائع کر دیتے ہیں تو وہ نومال شرکت سے محروم رہ جائیں گے، اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ معلومات افزا ۲۳ کے جوابات جنوری ۹۸ء کے بجائے فروری ۹۸ء میں شامل کیے جائیں اور جن نومالوں کے جوابات ۲۰ دسمبر تک آئیں وہ بھی اس میں شامل کر لیے جائیں۔

واضح رہے کہ فروری ۹۸ء کے شمارے میں معلومات افزا ۲۳ کے جوابات اور صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام بھی شامل ہوں گے۔

نومہال لغت

کھوج	کھوج	نشان، پتا، سراغ، جستجو، تلاش
انکشاف	انکشاف	کھلنا، ظاہر ہونا، کسی نئی بات کا پتا چلنا
چاپ	چاپ	پاؤں کی آہٹ
معراج	معراج	سیڑھی، زینہ، بلند درجہ، اعلیٰ مرتبہ
کساوت	کساوت	مقولہ، ضرب المثل، کوئی فقرہ جو بطور تمثیل استعمال کیا جائے
شعور	شعور	دانا، عقل، سلیقہ، ہوش
یکتا	یکتا	اکیلا، بے نظیر، نرالا، واحد
خراش	خراش	چھیلن، رگڑ، کھلبلی، زخم کی ہلکی سی لکیر
شاداب	شاداب	سرسبز، تروتازہ، ہرا بھرا
کچھار	کچھار	دور یا کانارہ، دریا کے قریب کی زمین، ترائی جہاں شیر رہتا ہے
لوح	لوح	لکھنے کی تختی، کتاب کا پہلا صفحہ، جس پر کتاب کا نام وغیرہ لکھا ہوتا ہے
فراق	فراق	علاحدگی، جدائی۔
ظرف	ظرف	حوصلہ، قابلیت، لیاقت، برتن
جنبش	جنبش	حرکت، گردش، ہلنا
گردش	گردش	چکر، دور، پھیر، مصیبت، آفت
سکوت	سکوت	خاموشی، امن، ٹھیراؤ
رقم	رقم	عدد، ہندسہ، رقم کرنا یعنی لکھنا
خود کار	خود کار	وہ چیز یا مشین جو خود بخود حرکت کرے، آٹومٹک
محاسبہ	محاسبہ	حساب کے متعلق پوچھ گچھ، شمار، باز پرس
تحمل	تحمل	برداشت، بردباری، صبر
مرحلہ	مرحلہ	منزل، وہ جگہ جہاں سفر کے بعد مسافر آرام کریں